منگل 30/ اگست 2022ء | 2/ صفر 1444 ہجری قمری | 30/ ظہور 1401 ہجری شمسی | جلد:4 | شمارہ:183

ارشاد باری تعالیٰ

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّالَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ﴿۱۲۹﴾

(النحل: 129)

ترجمہ: یقیناً اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو احسان کرنے والے ہیں۔

فرمانِ رسولؐ

عَنۡ أَبِیۡ ہُرَیۡرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ یَا أَبَا ہُرَیۡرَۃَ کُنۡ وَرِعًا تَکُنۡ أَعۡبَدَ النَّاسِ وَکُنۡ قَنِعًا تَکُنۡ أَشۡکَرَ النَّاسِ وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفۡسِکَ تَکُنۡ مُؤۡمِنًا وَّأَحۡسِنۡ جِوَارَ مَنۡ جَاوَرَکَ تَکُنۡ مُسۡلِمًا وَّأَقِلَّ الضَّحِکَ فَإِنَّ کَثۡرَۃَ الضَّحِکِ تُمِیۡتُ الۡقَلۡبَ

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوہریرہ! پرہیز گار بنو تم سب لوگوں سے زیادہ عبادت گزار ہو جاؤ گے اور قانع بنو تم سب لوگوں سے زیادہ شکر گزار ہو جاؤ گے اور لوگوں کیلئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو تم مومن ہو جاؤ گے اور جو تمہارا پڑوسی ہے اس سے اچھی ہمسائیگی کرو تم مسلم ہو جاؤ گے اور کم ہنسو کیونکہ ہنسنے کی کثرت دل کو مردہ کر دیتی ہے۔

(ابن ماجہ کتاب الزھد باب الورع والتقوی)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

قول وفعل میں مطابقت

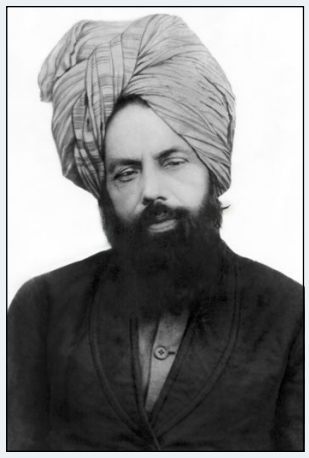

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

اللہ کا خوف اسی میں ہے کہ انسان دیکھے کہ اس کا قول وفعل کہاں تک ایک دوسرے سے مطابقت رکھتا ہے۔ پھر جب دیکھے کہ اس کو قول وفعل برابر نہیں تو سمجھ لے کہ وہ مورد غضب الٰہی ہو گا۔ جو دل ناپاک ہے خواہ قول کتنا ہی پاک ہو وہ دل خدا کی نگاہ میں قیمت نہیں پاتا۔ بلکہ خدا کا غضب مشتعل ہو گا۔ پس میری جماعت سمجھ لے کہ وہ میرے پاس آئے ہیں اسی لئے کہ تخم ریزی کی جاوے جس سے وہ پھل دار درخت ہو جاوے۔ پس ہر ایک اپنے اندر غور کرے کہ اس کا اندرونہ کیسا ہے؟ اور اس کی باطنی حالت کیسی ہے؟ اگر ہماری جماعت بھی خدانخواستہ ایسی ہے کہ اس کی زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے تو پھر خاتمہ بالخیر نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ جب دیکھتا ہے کہ ایک جماعت جو دل سے خالی ہے۔ اور زبانی دعوے کرتی ہے۔ وہ غنی ہے۔ وہ پرواہ نہیں کرتا۔ بدر کی فتح کی پیش گوئی ہو چکی تھی، ہر طرح فتح کی امید تھی، لیکن پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رو رو کو دعا مانگتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ جب ہر طرح کا فتح کا وعدہ ہے، تو پھر ضرورت الحاح کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ذات غنی ہے، یعنی ممکن ہے کہ وعدہ الٰہی میں کوئی شرائط مخفی ہوں۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 11 ایڈیشن 1984ء)

فرمان خلیفہ وقت

وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ محسن کا مطلب ہے کسی کو انعام دینا۔ بغیر کسی کی کوشش کے اُس کو نوازنا یا کسی سے اچھا سلوک کرنا۔ ایسے جو نوازنے والے ہوتے ہیں وہ محسن کہلاتے ہیں۔ پھر محسن کا یہ مطلب بھی ہے کہ انسان کا اپنے کام میں کمال درجے کو حاصل کرنا۔ اپنے کام کا اچھا علم حاصل کرنا اور ہر عمل ایسا جو موقع اور محل کے لحاظ سے بہترین ہو۔ گویا محسن دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو دوسروں کے لئے درد رکھتے ہوئے اُن کی خدمت پر ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ کوئی کس مذہب اور فرقے سے تعلق رکھتا ہے، کون کس قوم کا ہے؟ اُس کی خدمت پر مامور ہیں، کوشش ہوتی ہے کہ ہم انسانیت کی خدمت کریں۔ اور پھر یہ بھی کہ وقت پڑنے پر دوسرے کے کام آ کر اُس کی خدمت میں اس حد تک بڑھ جائیں کہ جس حد تک آسانیاں پیدا کر سکتے ہیں دوسرے کے لئے کی جائیں۔ پس ہر احمدی کا فرض ہے کہ اس جذبے کے تحت اُسے انسانیت کی خدمت کرنی چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت سے احمدی ہیں جو اس جذبے کے تحت خدمت کرتے ہیں، کام کرتے ہیں۔ بیشک وہ محسن تو ہوتے ہیں لیکن احسان جتانے والے نہیں ہوتے۔ محسن وہ نہیں جو احسان کر کے احسان جتائے۔ کیونکہ اگر احسان جتا دیا تو پھر تقویٰ اور اچھے خُلق کا اظہار نہیں ہو گا۔ تقویٰ تبھی ہے جب احسان کر کے پھر احسان جتایا نہ جائے۔

مَیں مثال دیتا ہوں۔ ہمارے انجینئرز ہیں، ڈاکٹر ہیں یا دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والے نوجوان لڑکے ہیں، جب افریقہ میں وانٹیئرز جاتے ہیں جہاں بہت سارے پروجیکٹ شروع ہیں، وہ اُن میں کام کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ مثلاً مقامی محروم لوگوں کو پینے کا پانی مہیا کرنے کے لئے ہینڈ پمپ لگا رہے ہیں۔ بجلی مہیا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اُن کے لئے سکول بنا رہے ہیں تا کہ اُن کے لئے تعلیم کی سہولتیں آسان ہو جائیں... تو یہ وہ خدمت اور نیک سلوک ہے جو کسی معاوضے کی لالچ میں نہیں ہوتا بلکہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کا تقویٰ دل میں رکھتے ہوئے انسانیت کی خدمت کے لئے ہوتا ہے۔

(خطبہ جمعہ 3/ فروری 2012ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

اس شمارہ میں

- آ رہے ہیں مری بگڑی کے بنانے والے (منظوم)
- قرآنی انبیاء-حضرت الیاسؑ
- جنوبی کوریا کا تعارف اور احمدیت کے قیام کی مختصر تاریخ
- درِّ ثمین فارسی کے محاسن
- سٹرائیک اور ہڑتال کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا مؤقف

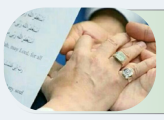

دربارِ خلافت

بیعت کی حقیقت کو جاننے اور بیعت کو جاننے کی ضرورت

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

پس یہ حقیقت ہے بیعت کی اور آپ کے آنے کے مقصد کو پورا کرنے کی، کہ بیعت کی حقیقت کو جاننے اور بیعت کو جاننے کی ضرورت ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے بیعت کی حقیقت اُس وقت معلوم ہو گی جب آپ کی بیان فرمودہ دس شرائطِ بیعت پر غور ہو گا اور اُن پر عمل ہو گا۔ مَیں نے ابھی ایک مثال دی کہ کس طرح افریقہ کے دور دراز علاقے میں بیٹھے ہوئے لوگ بیعت کر کے اپنے ماحول میں نمونہ بن رہے ہیں اور مخالفین بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ حقیقی مسلمان دیکھنا ہے تو ان احمدیوں میں دیکھو۔

پس یہ نمونے ہیں جو ہم نے قائم کرنے ہیں۔ نئے بیعت کرنے والوں کی بعض اَور مثالیں بھی میں دیتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرائطِ بیعت میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ آپ سے تعلق محبت اور اخوت تمام دنیوی تعلقوں سے بڑھ کر ہو گا۔ (ماخوذ از مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 160) جب موقع ملے تو آج بھی دور دراز بیٹھے ہوئے لوگ اس کا اظہار کرتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو ایمان سے بھرا ہوا ہے۔

رشین ممالک میں بیعت کرنے والے احباب اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے ایمان اور اخلاص میں غیرمعمولی طور پر آگے بڑھ رہے ہیں۔ ان میں سے چند ایک گزشتہ سال قادیان کے جلسہ میں بھی شامل ہوئے اور واپس آنے کے بعد، اپنے ملک پہنچنے کے بعد جو اپنے تاثرات انہوں نے بھجوائے اُن میں سے ایک صاحب نے لکھا کہ: اس مبارک جگہ کے بارے میں کتب میں پڑھا اور ٹی وی پر دیکھا تھا لیکن جب ہمارے قدم اس زمین پر پڑے تو وہی ماحول جو مسیح موعود علیہ السلام کے وقت تھا ہم پر بھی طاری ہو گیا۔ یہاں پر سانس لینا بہت آسان تھا اور آدمی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ حتی کہ اس کے خیالات تک اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے وہاں دیکھا اور محسوس کیا اس کو الفاظ میں ڈھالنا مشکل ہے۔

پھر ایک دوست نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے قادیان جانے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مہدی آخر الزمان کو سلام پہنچانے کی توفیق ملی۔ مَیں نے پہلی مرتبہ احمدیہ مسجد سے اذان کی آواز سنی، کیونکہ وہاں روس میں بھی پابندیاں ہیں، مسجد میں اذان نہیں دے سکتے۔ میں نے اپنا سامان جلدی سے رکھا اور وضو کرتے ہوئے یہ سوچتے سوچتے مسجد پہنچا کہ یہ مسیح موعود کی مسجد ہے اور دو رکعت نماز ادا کر کے ایک احمدی بھائی سے پوچھا کہ کیا یہ امام مہدی علیہ السلام کی ہی مسجد ہے؟ تو اُس نے کہا نہیں، یہ مسجد دارالانوار ہے۔ اس پر مَیں کچھ غمگین سا ہو کر اپنے بھائیوں کی طرف گیا اور اُن کو بتایا۔ بہر حال ہم نے فجر کی نماز اُسی مسجد میں ادا کی اور پھر ہم امام مہدی علیہ السلام کے مزار پر گئے اور دعا کی۔ اُس وقت میں اللہ کے حضور شکر کے ایسے جذبات سے بھرا ہوا تھا کہ جن کو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ہم قادیان میں ہر طرف گھومے۔ امام مہدی کی مسجد بیت الفکر، بیت الدعا، وہ گھر جہاں امام مہدی علیہ السلام پیدا ہوئے اور رہے، جہاں انہوں نے روزے رکھے، اور مسجد نور بھی گئے۔ ان جگہوں پر دعا کی توفیق ملی اور ایسی حالت طاری ہوئی جو ناقابلِ بیان ہے۔ ایسے لگا جیسے دماغ چکرا گیا ہو۔ ہم تمام اہم جگہوں پر گئے اور میں اس وجہ سے اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں۔ پس یہ لوگ ہیں جو دنیا کے مختلف ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جن کو یہ موقع نہیں ملا کہ قادیان جا سکیں۔ لیکن یہ لوگ بھی اخلاص و وفا سے پُر ہیں جن لوگوں کے خطوط آتے ہیں اور حیرت ہوتی ہے ان کی وفا اور اخلاص کو دیکھ کر۔ اپنی دنیاوی ضروریات سے زیادہ اپنی روحانیت کی فکر ان میں ہے۔

مَیں گزشتہ دنوں میں جب سنگاپور گیا ہوں، وہاں انڈونیشیا سے بھی بہت سارے لوگ آئے ہوئے تھے اور بڑا لمبا سفر کر کے آئے تھے۔ بعض غریب لوگ ایسے بھی آئے تھے کہ جن کے پاس کرائے کے پیسے نہیں تھے تو اگر اُن کی تھوڑی سی کوئی جائیداد زمین یا جگہ تھی، تو وہ بیچ کر انہوں نے کرایہ پورا کیا اور سنگاپور پہنچے ہوئے تھے۔ اور جب بھی انہوں نے کوئی دعا کے لئے کہا، تو یہ نہیں تھا کہ دنیاوی ضروریات پوری ہوں، بلکہ یہ تھا کہ ہمارے بچے دین پر قائم رہیں اور جس انعام کو ہم نے پا لیا ہے یہ ہم سے ضائع نہ ہو۔ یہ عورتوں کے بھی جذبات تھے اور مَردوں کے بھی۔ پھر خلافت سے محبت بے انتہا تھی۔ وہی محبت و اخوت کا اظہار تھا جو محض لِلّٰہ تھا

(خطبہ جمعہ 11/ اکتوبر 2013ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

آ رہے ہیں مری بگڑی کے بنانے والے

(کلام حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

اے مجھے اپنا پرستار بنانے والے
جوت اک پریت کی ہردے میں جگانے والے

سرمدی پریم کی آشاؤں کو دھیرے دھیرے
مدھ بھرے سر میں مدھر گیت سنانے والے

اے محبت کے امر دیپ جلانے والے
پیار کرنے کی مجھے ریت سکھانے والے

غمِ فرقت میں کبھی اتنا رلانے والے
کبھی دلداری کے جھولوں میں جھلانے والے

دیکھ کر دل کو نکلتا ہوا ہاتھوں سے کبھی
رس بھری لوریاں دے دے کے سلانے والے

کیا ادا ہے مرے خالق، مرے مالک، مرے گھر
چھپ کے چوروں کی طرح رات کو آنے والے

راہ گیروں کے بسیروں میں ٹھکانا کر کے
بے ٹھکانوں کو بنا ڈالا ٹھکانے والے

مجھ سے بڑھ کر مری بخشش کے بہانوں کی تلاش
کس نے دیکھے تھے کبھی ایسے بہانے والے

تو تو ایسا نہیں محبوب کوئی اور ہوں گے
وہ جو کہلاتے ہیں دل توڑ کے جانے والے

تو تو ہر بار سر رہ سے پلٹ آتا ہے
دل میں ہر سمت سے پل پل مرے آنے والے

(کلام طاہر ایڈیشن 2004 صفحہ 19-22)

مرزا خلیل احمد بیگ۔ جامعہ احمدیہ انٹرنیشنل گھانا

قرآنی انبیاء

حضرت الیاسؑ

قسط 23

حضرت الیاسؑ کا قرآن کریم میں ذکر

حضرت الیاس علیہ السلام کا قرآن کریم میں دو جگہ سورہ انعام اور سورہ صافات میں ذکر ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾

(الانعام:86)

اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی (ہدایت دی تھی) (یہ) سب کے سب نیکوں میں سے تھے۔

اسی طرح سورہ صافات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

(الصافات: 124-133)

اور الیاس یقیناً رسولوں میں سے تھا۔ (یاد کرو) جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم تقویٰ نہیں کرتے۔ کیا تم بعل بت کو پکارتے ہو؟ اور جو بہترین پیدائش کرنے والا ہے (یعنی اللہ) اسے چھوڑتے ہو۔ جو تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادوں کا بھی رب ہے۔ (یہ سن کر) اس کی قوم نے اس کو جھٹلایا۔ پس وہ یقیناً عذاب کے لئے پیش کیے جائیں گے۔ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے (کہ ان سے یہ معاملہ نہیں ہوگا)۔ اور ہم نے اس (یعنی الیاس) کے لئے آخری قوموں میں ذکر خیر چھوڑا۔ الیاسین پر ہمیشہ ہمیش سلامتی ہوتی رہے۔ ہم اسی طرح محسنوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔ وہ (یعنی پہلا الیاس) ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔

نام :الیاس، ایلیا، ایلیجاہ اور تشبی

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں آیا ہے: ''بقول جوالیقی الیاس ایک عجمی کلمہ ہے لیکن بعض لوگوں کو اس سے اختلاف ہے کیونکہ عرب عام طور پر غیر عربی الفاظ کو معرب کر لیا کرتے تھے۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ یہ کلمہ عبرانی نام ایلیا یا ایلیجاہ ہی ہے جس کے معنیٰ ہیں ''یہوہ میرا رب''، (یہوہ: یہودیوں کے ہاں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے)۔ جیوش انسائیکلو پیڈیا میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ اسم مذکور میں یہ اقرار مضمر ہے کہ اس کے حامل نے بعل کے پرستاروں کے خلاف یہوہ کے نام پر جہاد کیا اور اس سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ ایلیجاہ نے یہ نام خود اختیار کیا تھا۔ تورات میں ایلیا کو ''تشبی'' کہا گیا ہے جس سے قیاس ہوتا ہے کہ آپ کا تعلق ''تشبہ'' نام کے کسی مقام یا گھرانے سے تھا۔ آپ نے جلعاد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ولہاوزن (Wellhausen) نے آپ کے بارے میں اپنی کتاب ہسٹری آف اسرائیل (صفحہ 462) میں لکھا ہے: ''وہ تن تنہا پورے جاہ و جلال کے ساتھ اپنے دور پر چھائے ہوئے ہیں لیکن ان کی شخصیت تاریخ کی بجائے افسانوی روایات میں محفوظ ہے''

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، زیر انتظام دانش گاہ پنجاب لاہور، زیر لفظ ''الیاس''، جلد 3 صفحہ 213، طبع اول، نقش ثانی، سال 1980ء)

حضرت الیاس علیہ السلام کا زمانہ اور بعثت

حضرت الیاس علیہ السلام جلعاد کے رہنے والے تھے جو اردن کے مشرقی کنارے پر واقع ایک جگہ تھی آپ کا زمانہ 900 ق م کا ہے (جیوش انسائیکلو پیڈیا تحت کلمہ ''ELIJAH''

علامہ ابن کثیر کی کتاب ''البدایہ والنہایہ'' سے ماخوذ قصص الانبیاء کے ترجمہ اردو میں ذکر ہے: ''ان کا نام الیاس بن یس بن فنحاص بن عیزار بن ہارون بن عمران ہے جبکہ دوسرے قول کے مطابق ان کا نام الیاس بن العازر بن الیعزر بن ہارون بن عمران ہے۔ آپ کو دمشق کے شمال مغرب میں واقع شہر بعلبک کی طرف (موجودہ تقسیم میں یہ شہر لبنان میں واقع ہے) رسول بنا کر بھیجا گیا تھا تا کہ انہیں بعل نامی بت کی عبادت سے منع کریں تو اس جگہ کے لوگوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کی مخالفت کی بلکہ آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا حتی کہ آپ ان لوگوں کو چھوڑ کر چلے گئے اور روپوش ہو کر دس سال تک ایک غار میں رہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ کو موت دی اور دوسرا شخص بادشاہ بن گیا۔ تب حضرت الیاس علیہ السلام نے اس کو دعوت ایمان دی تو اس کے ساتھ بے شمار تعداد میں وہ قوم ایمان لے آئی''

(قصص الانبیاء از ابن کثیر، ترجمہ عطاء اللہ ساجد فاضل مدینہ یونیورسٹی، صفحہ 542-543)

الیاسین کہنے سے مراد

سورہ صافات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

(الصافات:131)

مفسرین کے نزدیک وہاں صرف ایک الیاس مراد ہیں آخر میں یاء اور نون کا اضافہ قافیہ بندی کے لیے کیا گیا ہے مگر ہمارے نزدیک یہ بات درست نہیں کہ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ میں صرف وقف کے لیے یاء اور نون کا اضافہ کیا گیا ہے بلکہ جیسا کہ ہماری جماعت کا اعتقاد ہے الیاس کی بجائے الیاسین کا لفظ اللہ تعالیٰ نے اس لیے استعمال کیا ہے کہ یہاں ایک سے زیادہ الیاس مراد ہیں۔ ایک تو وہ الیاس ہیں جو اسرائیلی انبیاء کے وسط میں گزر چکے ہیں دوسرے الیاس یوحنا (حضرت یحیی علیہ السلام) ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے معا پہلے آئے اور تیسرے الیاس حضرت سید احمد صاحب بریلوی ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے آئے۔ چونکہ نزول قرآن سے پہلے دو الیاس اس دنیا میں آچکے تھے اور ایک الیاس نے ابھی آنا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ''سَلَامٌ عَلَى إِلْ يَاسِ'' کی بجائے ''سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ'' کہہ کر ان سب کی طرف اشارہ کر دیا''

(تفسیر کبیر جلد 9 صفحہ 170)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' اس آیت میں ''الیاس'' کی بجائے ''الیاسین'' فرمایا گیا ہے۔ اس کا مفسرین ایک معنیٰ تو یہ کیا کرتے ہیں کہ تین الیاس تھے کیونکہ تین سے کم کی تعداد پر ''الیاسین'' (جمع) کا صیغہ استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن عبرانی طرز کلام میں واحد کے لئے بھی عزت کی وجہ سے جمع کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ ان کی کتب میں آنحضرت ﷺ کا نام محمد نہیں بلکہ ''محمدیم'' لکھا ہوا ہے۔ چونکہ ایلیاء (الیاس) نے بھی غیر معمولی قربانی سرانجام دی تھی اس لئے آپ کا بھی جمع کے صیغہ میں ذکر فرمایا گیا''۔ (ترجمۃ القرآن از حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تحت آیت سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

(الصافات:131)

روحانی مردوں کو زندہ کرنا

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''انبیاء بے شک مردے زندہ کر لیتے تھے۔ جیسا کہ ایلیاہ نبی اور الیسع کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے (روحانی) مردے زندہ کئے۔ (نمبر 1 سلاطین باب 17 آیت 22 ونمبر 2 سلاطین باب 4 آیت 35)''

(تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ 62)

حضرت الیاسؑ کے مثیل حضرت یحییٰؑ تھے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے کلام میں ایسی آیتیں موجود ہیں جن کے اگر ظاہر معنے کئے جائیں تو کچھ بھی مطلب نہیں نکل سکتا۔ جیسے فرمایا: وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا

(بنی اسرائیل:73)

اب آپ وزیر آباد میں ہی حافظ عبد المنان سے جو اس سلسلہ کا سخت دشمن ہے دریافت کریں کہ کیا اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا اٹھایا جائیگا؟ یا ظاہر پر اس سے مراد نہیں لی جاتی، کچھ اور مطلب ہے۔ یقینا اس کو یہی کہنا پڑے گا کہ بیشک اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ ہر اندھا اور نابینا قیامت کو بھی اندھا اور نابینا اٹھے بلکہ اس سے مراد معرفت اور بصیرت کی نابینائی ہے۔

جب یہ ثابت ہے کہ الفاظ میں استعارات بھی ہوتے ہیں اور خصوصاً پیشگوئیوں میں۔ تو پھر مسیح کے نزول کے متعلق جو پیشگوئیوں میں الفاظ آئے ہیں، ان کو بالکل ظاہر ہی پر حمل کر لینا کونسی دانشمندی ہے؟ یہ لوگ جو میری مخالفت کرتے ہیں ظاہر پرستی سے کام لیتے ہیں اور ظن سے کام لیتے ہیں۔ مگر یاد رکھیں کہ: اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (النجم: 29) اور بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات:13)

پس اگر بدظنی سے کام لیتے ہیں اور ظاہر معنوں ہی پر حمل کرتے ہیں تو پھر نابینوں کو تو نجات سے جواب ہوگا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ کیوں ناحق ایک ایسی بات پر زور دیتے ہیں جس کیلئے ان کے پاس کوئی یقینی ثبوت نہیں ہے۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی کتابوں کی زبان سے محض ناواقف ہیں۔ اگر واقف ہوتے تو سمجھتے کہ پیشگوئیوں میں کس قدر استعارات سے کام لیا جاتا ہے۔۔۔ یہودیوں کو یہی مشکل اور آفت تو پیش آئی کیونکہ حضرت مسیح کے لیے لکھا تھا کہ اس کے آنے سے پہلے ایلیا آئے گا۔ چنانچہ ملاکی نبی کی کتاب میں یہ پیشگوئی بڑی صراحت سے درج ہے۔ یہودی اس پیشگوئی کے موافق منتظر تھے کہ ایلیا آسمان سے آوے لیکن جب مسیح آ گیا اور ایلیا آسمان سے نہ اترا تو وہ گھبرائے۔

اور یہ ابتلا ان کو پیش آ گیا کہ ایلیا کا آسمان سے آنا مسیح کے آنے سے پہلے ضروری ہے اب انصاف شرط ہے۔ اگر یہ فیصلہ کسی جج کے سامنے پیش

ہو تو وہ بھی یہودیوں کہ حق میں ڈگری دے گا کیونکہ یہ صاف طور پر لکھا گیا تھا کہ ایلیا آئے گا اور اس سے پہلے کوئی نظیر اس قسم کے بروز کی ان میں موجود نہ تھی جو مسیح نے یوحنا کو ایلیا بنایا۔ اب اگرچہ ہم ان کتابوں کی بابت تو یہی کہتے ہیں کہ لَا تُصَدِّقُوْا وَلَا تُکَذِّبُوْا لیکن یہ بھی ساتھ ہی ضروری بات ہے کہ قرآن شریف میں یہ آیا ہے۔ فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِاِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل: 44)

علاوہ بریں اس قصہ ایلیا کی قرآن شریف نے کہیں تکذیب اور تردید نہیں کی اور یہودی اور عیسائی دونوں قومیں بالاتفاق اس کو صحیح مانتی ہیں۔ اگر یہ قصہ نہ ہوتا تو عیسائیوں کا حق تھا کہ وہ بول پڑتے اور اس کی تکذیب کرتے خصوصاً ایسی حالت میں کہ اگر اس قصہ کو غلط کہا جائے تو عیسائیوں کے لیے مشکلات سے نجات اور مخلصی ہے۔ جو اس کو صحیح مان کر ان کو پیش آتی ہیں لیکن جبکہ انہوں نے تکذیب نہیں کی اور اس کو صحیح تسلیم کر لیا ہے پھر کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ ہم بلاوجہ تکذیب پر آمادہ ہوں۔ حق یہی ہے کہ یہودیوں میں یہ خبر صحیح موجود تھی کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا آئے گا۔

مسیح علیہ السلام کا فیصلہ

اور اسی لیے جب مسیح آ گیا تو وہ مشکل میں پڑے اور انہوں نے مسیح سے ایلیا کے متعلق سوال کیا اور مسیح نے یوحنا کی صورت میں اس کے آنے کو تسلیم کر لیا۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ پیشگوئی صحیح نہ ہوتی تو سب سے پہلے مسیح کا یہ حق تھا کہ وہ بجائے اس کے کہ یہ کہتے کہ آنے والا ایلیا یوحنا ہی ہے، یوں جواب دیتے کہ کوئی ایلیا آنے والا نہیں ہے۔ مسیح نے اگر اس کو صحیح تسلیم نہ کیا ہوتا تو وہ یوحنا کی شکل میں ایلیا کو نہ اتارتے۔ یہ چھوٹی اور معمولی سی بات نہیں۔ مسیح کا یہودیوں کے اس اعتراض کو مان کر اس کا جواب دینا بھی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ وہ بجائے خود اس امر کو صحیح اور یقینی سمجھتے تھے۔ یہودیوں کا یہ عذر بہر حال قابل پذیرائی تھا اور مسیح نے اس کو قبول کر کے یہی جواب دیا ہے کہ آنے والا ایلیا یوحنا ہی ہے چاہو تو قبول کرو۔ اب اگر استعارات کوئی چیز نہیں اور خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں میں یہ جزو اعظم نہیں ہوتے تو پھر جیسے یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کی اس تاویل کو تسلیم نہیں کیا، یہ بھی انکار کریں کہ وہ فیصلہ صحیح نہیں تھا کیونکہ یہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ایلیا والے قصہ کی مسلمان تکذیب تو کر نہیں سکتے کیونکہ قرآن شریف نے کہیں اس کی تکذیب نہیں کی اور تکذیب کے اول حق دار تو حضرت مسیحؑ اور ان کے متبعین ہو سکتے ہیں۔ جبکہ یہ بات ہے کہ استعارات کوئی چیز نہیں اور ہر پیشگوئی لازماً اپنے ظاہری الفاظ ہی پر پوری ہوتی ہے تو پھر ان کو گویا ماننا پڑے گا یہودیوں کی طرح کہ مسیح ابھی نہیں آئے گا۔ اور جب مسیح کے آنے کا بھی انکار ہی ہوا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی انکار کرنا پڑا اور اس طرح پر اسلام ہاتھ سے جاتا ہے۔ اسی لیے میں بار بار اس امر پر زور دیتا ہوں کہ میری تکذیب سے اسلام کی تکذیب لازم آتی ہے۔

اس صورت میں عقل مند سوچ سکتا ہے کہ ایلیا کے دوبارہ آنے کے قصہ کے رنگ میں مسیح کی آمد ثانی ہے اور ان کا فیصلہ گویا چیف کورٹ کا فیصلہ ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ نامراد رہتا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ نے خود آنا تھا تو صاف لکھ دیتے کے میں خود ہی آؤں گا۔ یہودی بھی تو اعتراض کرتے ہیں کہ اگر ایلیا کا مثیل آنا تھا تو کیوں خدا نے یہ نہ کہا کہ ایلیا کا مثیل آئے گا۔ غرض جس قدر یہ مقدمہ ایلیا کا ہے اس پر اگر ایک دانشمند صفائی اور تقویٰ سے غور کرے تو صاف سمجھ آجاتا ہے کہ کسی کے دوبارہ آنے سے کیا مراد ہوتی ہے اور وہ کس رنگ میں آیا کرتا ہے۔ دو شخص بحث کرتے ہیں ایک نظیر پیش کرتا ہے اور دوسرا کوئی نظیر پیش نہیں کرتا تو بتاؤ کس کا حق ہے کہ اس کی بات مان لی جاوے؟ یہی کہنا پڑے گا کہ ماننے کے قابل اسی کی بات ہے جو دلائل کے علاوہ اپنی بات کے ثبوت میں نظیر بھی پیش کرتا ہے۔ اب ہم تو ایلیا کا فیصلہ شدہ مقدمہ جو خود مسیح نے اپنے ہاتھ سے کیا ہے بطور نظیر پیش کرتے ہیں۔ یہ اگر اپنے دعویٰ میں سچّے ہیں تو دو چار ایسے شخصوں کے نام لے دیں جن کی آسمان سے اترنے کی نظیریں موجود ہیں۔ سچ کے حق میں کوئی نہ کوئی نظیر ضرور ہوتی ہے۔ اس مقدمہ میں تنقیح طلب امر یہی کہ جب کسی کے دوبارہ آنے کا وعدہ ہو تو کیا اس سے اس شخص کا پھر آنا مراد ہوتا ہے یا اس کا مفہوم کچھ اور ہوتا ہے اور اس کی آمد ثانی سے یہ مراد ہوتی ہے کہ کوئی اس کا مثیل آئے گا۔ اگر اس تنقیح طلب امر میں ان کا دعویٰ سچا ہے کہ وہ شخص خود ہی آتا ہے تو پھر حضرت عیسیٰ پر جو الزام عائد ہوتا ہے اسے دور کر کے دکھائیں۔ اول یہ ان کا فیصلہ فراست صحیحہ سے نہیں ہوا۔ اور دوسرے معاذ اللہ وہ جھوٹے نبی ہیں کیونکہ ایلیا تو آسمان سے آیا ہی نہیں وہ کہاں سے آ گئے؟ اس صورت میں فیصلہ یہودیوں کے حق میں صادر ہو گا۔ اس کا جواب ہمارے مخالف مسلمان ہم کو ذرا دے کر تو دکھائیں۔ لیکن یہ ساری مصیبت ان پر اس ایک امر سے آتی ہے جو کہتے ہیں کہ ہم استعارہ نہیں مانتے۔ اصل بات یہی ہے اور وہی فیصلہ حق ہے جو مسیح نے دیا ہے کہ ایلیا کے آنے سے مراد یہ تھی کہ اس کی خو اور طبیعت پر اس کا مثیل آئے گا اس کے خلاف ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا۔ مشرق یا مغرب میں پھرو اور اس کی نظیر لاؤ کہ دوبارہ آنے والا خود ہی آیا کرتا ہے۔

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 371-374 ایڈیشن 2010ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ’’بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کے انھوں نے اپنے گھر میں نگاہ نہیں کی۔ ورنہ اس قوم کا فرض تھا کہ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے قبول کرنے والے یہی ہوتے، کیونکہ ان کے ہاں نظائر موجود تھے، مگر جیسے اس وقت کو انھوں نے کھو دیا۔ آج بھی یہ مسیح موعود کو قبول نہیں کرتے، حالانکہ ایلیا کا قصّہ اُن میں موجود ہے اور اسی پر مسیح کی صداقت کا سارا معیار ہے۔ اگر مسیح واقعۃ مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ تو کیوں پھونک مار کر ایلیا کو زندہ نہ کر دیا، یہود ابتلا سے بچ جاتے اور خود مسیح کو بھی ان تکالیف اور مشکلات کا سامنا نہ ہوتا، جو ایلیا کی تاویل سے پیش آئیں۔ ایک یہودی کی کتاب میرے پاس موجود ہے۔ وہ اس میں صاف لکھتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ہم سے مسیح کے انکار کا سوال کرے گا، تو ہم ملاکی نبی کی کتاب سامنے رکھ دیں گے۔ کہ کیا اس میں نہیں لکھا کہ مسیح سے پہلے ایلیا آئے گا۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ یوحنا آئے گا۔ اس پر اس نے بڑی بحث کی ہے اور پھر لوگوں کے سامنے اپیل کرتا ہے کہ بتاؤ ہم سچے ہیں یا نہیں۔ الغرض اس قسم کی جزئیات کو یہ لوگ بد نما صورت میں پیش کر کے دھوکا دیتے ہیں‘‘

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 73-74)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ’’اگر ان کا حدیث پر اس قدر اعتبار ہے تو رفع یدین کی جو چودہ سو احادیث آئی ہیں اس پر کیوں نہیں عمل کرتے ہمارا مسئلہ خدا تعالیٰ کی سنت قدیمہ کے مطابق ہے جیسے یہ آمد مسیح کے منتظر ہیں ویسے ہی یہودی الیاس کے منتظر تھے۔۔۔ یہودیوں کو الیاس کی انتظار تھی مسیح نے کہا یحییٰ الیاس ہے خواہ قبول کرو خواہ نہ کرو‘‘

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 470-471)

رپورٹ: مسعود احمد طاہر۔ نمائندہ الفضل آئن لائن گیمبیا

پیس سمپوزیم

(Farafenni-North Bank Region)

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے جماعت احمدیہ گیمبیا کے ایک ریجن نارتھ بینک کی جماعت فرافینی میں مقیم مربی سلسلہ مکرم روحان احمد صاحب کو peace symposium منعقد کروانے کی توفیق ملی۔ الحمد للہ علی ذٰلک۔

اس پروگرام کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور حسین تعلیم کو دنیا تک پہنچانا تھا۔ اس تقریب کا موضوع تھا،

’’نبی پاک ﷺ امن کے بادشاہ‘‘

پروگرام کی تیاری اور کامیابی کے لئے پیارے آقا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں دعائیہ خط بھیجا گیا اور دعا کی درخواست کی۔

اس پروگرام میں افراد جماعت کے ساتھ ساتھ غیر از جماعت احباب بشمول بعض اہم حکومتی عہدیداروں کو دعوت شرکت دی گئی۔ اور انکی بھی اچھی تعداد شامل ہوئی۔ جن میں غیر از جماعت امام، فرافینی ایریہ کے چیف، چیف آف آرمی، امیگریشن انچارج، پولیس فورس اور کسٹم سے بھی نمائندگان نے شمولیت اختیار کی۔

اس پروگرام میں مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے مذہبی رہنماؤں کو بھی جماعتِ احمدیہ کے ساتھ ملکر اپنی تقاریر کے ذریعہ امن کا پیغام پھیلانے کی توفیق ملی۔

اس پروگرام کی صدارت مکرم فابکرے کلے صاحب نے کی، جو کہ Peace Activist ہیں اور اللہ کے فضل سے احمدی بھی ہیں۔ اس کے علاوہ مشنری انچارج گیمبیا مکرم محمود احمد طاہر، نائب صدر خدام الاحمدیہ گیمبیا مکرم سیکو جامع، ایریا مشنری بارا ریجن مکرم امام عثمان کے با صاحب بھی موجود تھے۔

غیر از احباب نے پروگرام کو سراہتے ہوئے اس میں دعوت دینے پر جماعت احمدیہ کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے علاوہ اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس علاقہ میں یہ اپنی نوعیت کا منفرد پروگرام ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ جماعت احمدیہ ایسے پروگرام آئندہ بھی جاری رکھے گی۔

اختتامی دعا سے پہلے معزز مہمانوں کو لائف آف محمد ﷺ اور پاتھوے ٹوپیس کے تحفہ سے نوازا گیا۔ اس کے بعد دعا ہوئی۔

اس تقریب کے موقع پر میڈیا کی طرف سے

GRTS (National TV Station) LightFM, MTA The Gambia, Day News Paper, Paradise FM

کے نمائندے بھی موجود تھے، جنہوں نے پروگرام ریکارڈ کیا اوور بعد ازاں اس کی تفصیلی رپورٹ بھی اپنے چینلز پر چلائی۔

اس پروگرام میں 175 کے قریب لوگوں نے شمولیت اختیار کی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس پروگرام کو ہر لحاظ سے بابرکت فرمائے۔ آمین

محمد داؤد ظفر

جنوبی کوریا کا تعارف اور احمدیت کے قیام کی مختصر تاریخ

قسط اول

جزیرہ نما کوریا جنوبی اور شمالی حصہ پر مشتمل دو ملکوں میں منقسم ہے۔ جزیرہ نما کوریا کے جنوبی حصہ پر مشتمل جنوبی کوریا مشرقی ایشیا میں واقع ہے۔ جنوبی کوریا کا سرکاری نام جمہوریہ کوریا(The Republic of Korea) ہے۔ ملک کی آبادی51 ملین سے زائد ہےاور رقبہ 1003ء63مربع کلو میٹر ہے۔ اسکےمشرق میں مشرقی بحیرہ ہے جس کو بحیرہ جاپان بھی کہا جاتا ہے، مغرب میں بحیرہ اصفرہےاورجنوب میں مشرقی بحیرہ چین ہے۔ جنوبی کوریا کے شمال میں شمالی کوریا وہ واحد ملک ہے جس کے ساتھ زمینی سرحدملتی ہے اورجنوب مشرق میں آبنائے کوریا ہے جو جاپان اور کوریا کے مابین سمندری گزرگاہ ہے اور اس آبنائے سے دوسو کلومیٹر کے فاصلہ پر جاپان کے جزائر ہونشو(Hunshu)اور کیوشو(Kyushu)واقع ہیں۔مغرب میں 190 کلو میٹر کی دوری پرچین کا جزیرہ شاندونگ(Shandong)ہے۔

جنوبی کوریا کادار الحکومت

ملک کا دار الحکومت سئیول(Seoul) ہے۔ فلک بوس عمارتوں پر مشتمل اس شہر کی تاریخی حیثیت ہے۔ یہ شہر پہاڑوں میں گھرا ہوا دریائے ہان کے طاس پر ملک کے شمال مغربی حصے میں واقع ہے۔ سیئول کے وسط میں بہتا ہوا دریائے ہان(Han) شہر کو جنوبی اور شمالی حصہ میں تقسیم کر دیتا ہے۔ سئیول سے شمالی کوریا کی سرحدصرف 50 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ سئیول ملک کا اقتصادی، سیاسی، تعلیمی اور ثقافتی مرکز ہے۔

جنوبی کوریا کے خوبصورت جزائر

جنوبی کوریا میں 3358ء چھوٹے بڑے جزائر ہیں۔ اگر ایک دن ایک جزیرہ پر گزارا جائے تو تمام جزائر کو دیکھنے کے لئے نوسال سے زائد کا عرصہ لگے گا۔سب سے زیادہ مشہور اور زبان زدعام جیجو جزیرہ(Jeju Island) ہے۔ جنوبی کوریا کا سب سے بلند ہلہ (Halla)نامی پہاڑ اس جزیرہ میں واقع ہے جو سطح سمندر سے 1940ء میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ اس کے علاوہ بہت سارے خوبصورت جزائر ہیں جن کی فہرست کافی طویل ہے۔ دنیا بھر سے لاکھوں کی تعداد میں سیاح ان جزائر کی سیر سے لطف اندوز ہونے کے لئے جنوبی کوریا آتے ہیں۔ جزیرہ دکدو(Dokdo) جسے جاپان میں تیک شیما(Takeshima) کہا جاتا ہے جنوبی کوریا اور جاپان کے درمیان باعث نزاع ہے۔ دونوں ممالک اس جزیرہ کی ملکیت کے دعویدار ہیں۔

پہاڑوں اور دریاؤں کی سرزمین

جنوبی کوریا پہاڑوں اورمتعدد چھوٹے بڑے دریاؤں کی سرزمین ہے۔ زیادہ تر دریا مشرق سے مغرب اور جنوب کی طرف بہتے ہوئے بحیرہ اصفر اور جنوبی بحیرہ میں گرتے ہیں کیونکہ زیادہ تر بلند پہاڑ ملک کے مشرقی حصہ میں واقع ہیں جنکی بلندی مغرب اور جنوب کی طرف آہستہ آہستہ کم ہوتی جاتی ہے۔ ملک کا بیشتر حصہ پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ دو طویل پہاڑی سلسلے ہیں۔ کوہ تیبک (Taebaek Mount)اور کوہ سوبیک(Sobaek Mount)۔کوہ تیبک بحیرہ جاپان کے ساحل کے ساتھ ساتھ جزیرہ نما کوریا کے مشرق میں پھیلا ہوا ہے۔کوہ تیبک کا ایک سرا شمالی کوریا اور دوسرا سرا جنوبی کوریا کے مشہور شہر بوسان(Busan) پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اس کی لمبائی 500 کلو میٹر ہے اور اوسط اونچائی 1000ء میٹر ہے۔ اس سلسلہ کے پہاڑوں کی چوٹیاں 1500ء میٹر سے زائد بلند ہیں۔ ملک کے جنوب میں دوسرا طویل پہاڑی سلسلہ سوبیک ہے۔ اس سلسلہ کے پہاڑ سطح سمندر سے 1000ء میٹر سے زائد بلند ہیں۔ دریائے ہان اور نکتنگ(Naktong)دو بڑے دریا ہیں جن کی لمبائی300 میل سے زائد ہے۔ ان کا دونوں دریاؤں کا منبع کوہ تیبک ہے۔

جزیرہ نما کوریا کی تاریخ

خیال کیا جاتا ہے کہ تقریباً دس ہزار سال قبل انسان جزیرہ نما کوریا میں آباد ہوئے۔ نیولیتھک دور(Neolithik Era) جسے جدید پتھر کا زمانہ بھی کہا جاتا ہے۔ کوریا میں نیولیتھک دور کا آغاز چھ ہزار سال قبل مسیح ہوا۔ اس دور کی باقیات میں پتھر سے بنے ہل اور درانتی سے کاشتکاری اور فارمنگ کے آغاز کا پتہ چلتا ہے۔ اس دور میں پتھر سے بنے بھالے، نیزے، نوک دار تیر، ہڈی سے بنے کانٹے اور ماہی گیری کے لیے پتھر سے بنے اوزان استعمال ہوتے تھے۔ کورین کنگھی نما نقوش پر مشتمل ظروف نیولیتھک دور میں بڑے پیمانے پر استعمال ہوتے تھےاور اس کے آثار شمال مشرقی ایشیا میں ملتے ہیں۔ پتھر سے بنی خاص شکل کی کلہاڑیاں اور دیگر اوزار سے چاول کی فارمنگ کا پتہ چلتا ہے۔ کوریا میں کانسی عہد غالباً آٹھویں صدی قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ کانسی عہد میں لوگ پہاڑوں میں غار نما گھروں میں رہائش پذیر تھے اور کانسی سے بنے خنجر اور نوک دار تیر کے استعمال سے اس دور کا تعین ہوتا ہے۔ جزیرہ نما کوریا میں تقریباً چار صدی قبل مسیح لوہے کے استعمال کا آغاز ہوا۔ اس دور میں جزیرہ نما کوریا میں لوہے سے بنے ہل، درانتیاں اور فارمنگ میں جانوروں کا استعمال کاشتکاری کے زیادہ موئثراور بہترطریقے کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس دور کے لوہے سے بنے ہتھیار ملتے ہیں۔ اس دور میں لکڑی کے بنے گھر سطح زمین پر تعمیر کئے گئے۔

جزیرہ نما کوریا کی پہلی ریاست

آغاز میں چھوٹے چھوٹے قبائل پر مشتمل معاشرہ وجود میں آیااور بہت سے طاقتور قبائل ضم ہو کر ایک بڑے قبیلہ میں تبدیل ہوئے اور آہستہ آہستہ ابتدائی ریاست کی شکل اختیار کر لی۔ ’’کوجوسن‘‘(kojoseon) نامی پہلی ریاست جزیرہ نما کوریا میں 2333ء ق۔م وجود میں آئی جو چین کے موجودہ صوبہ لیاؤننگ (Liaoning)، منچوریا(Manchria) اور جزیرہ نما کوریا کے شمالی حصہ پر مشتمل تھی۔ جزیرہ نما کوریا کے جنوبی حصہ

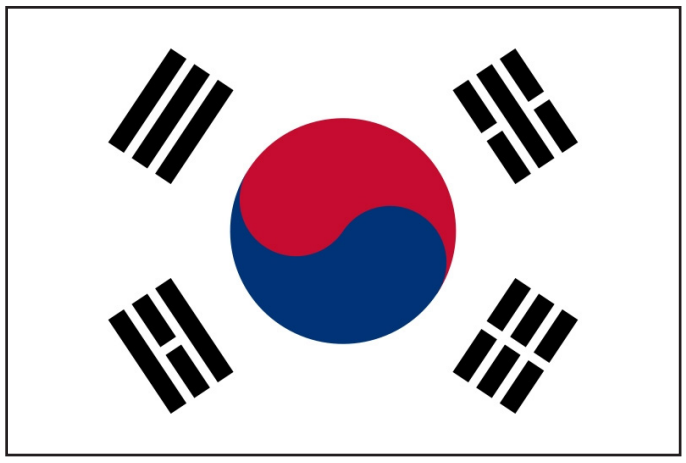

پر جن ریاست(Jin State) کا اقتدار تھا جو کہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے اتحاد پر مشتمل تھی۔ تاریخ میں ’’جن ریاست‘‘ کی زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔ تیسری صدی قبل مسیح کے اختتام پر کوجوسن ریاست اور چین کے ہان شاہی خاندان (Han dynasty)کے درمیان 108 - 109ق۔م جنگ ہوئی اور ’’کوجوسن‘‘ کے اقتدار کا خاتمہ ہوا اور اسکے بعد چین کے ہان شاہی خاندان نے جزیرہ نما کوریا کے شمالی حصہ پر اپنا اقتدار مضبوط کیا۔ کوجوسن ریاست نے زراعت کے شعبہ کو بہتر کیا۔ زراعت کے علاوہ اس ریاست کا انحصار سونا، چاندی، کاپر، ٹن اور زنک معدنیات پر تھا۔ زیر زمین ہیٹنگ سسٹم(Heating System) کی ایجاد جسے مقامی زبان میں اندول (Ondol) کہا جاتا ہے اور پہلا کورین گرے سٹون وئیر(Grey stone ware)اس دور میں متعارف ہوا۔

تین بادشاہتوں کا دور(37ق م تا668ء)

کوجوسن بادشاہت کے بعد 37 قبل مسیح میں چھوٹی چھوٹی قبائلی ریاستوں کے آپس میں ایک دوسرے میں ضم ہو نے سے’’ کوگوریو بادشاہت‘‘ (koguryo)وجود میں آئی اور جزیرہ نما کوریا کے شمال میں بڑی طاقتور ریاست بن گئی۔ جنوب مغرب میں دریائے ہان کے ساتھ ساتھ 18 قبل مسیح میں بیکجے بادشاہت (Baekje) قائم ہوئی۔ جنوب اور مرکز میں کوگوریو اور بیکجے سلطنت کے ساتھ 57 ق۔م میں شلاّبادشاہت(Silla) کا قیام ہوا۔ جزیرہ نما کوریا 57 ق۔م سے لیکر 668ء تک تین بادشاہتوں شلا، کوگوریو اور بیکجے میں منقسم رہا۔ یہ بادشاہتیں آپس میں ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار رہتیں اور حالات کے پیش نظر انکا ایک دوسرے کے ساتھ اور خطے کی بڑی طاقتوں چین اور جاپان کے ساتھ اتحاد ادلتا بدلتا رہتا۔ جزیرہ نما کوریا کی ان بادشاہتوں کے چین کے ساتھ تناؤ اور کشمکش کے باوجود آپس میں تجارت جاری رہتی۔ جزیرہ نما کوریا چین کو سونا، لوہا اور گھوڑے برآمد کرتا اور کوریا چین سے ریشم، چائے اور تحریری مواد درآمد کرتا تھا۔ جزیرہ نما کوریا کے جنوب مغرب میں واقع بیکجے بادشاہت کا تمدن وثقافت جاپان میں متعارف ہوا۔ اس دور میں آپس میں مسلسل جنگ کی وجہ سے ملٹری سسٹم کو منظم کیا گیا۔ ہر ریاست میں اداروں کی پیشہ ورانہ تربیت کے ساتھ ساتھ بادشاہ کی اتھارٹی کو مضبوط کیا گیا اور موروثی سیاست کا عمل دخل بتدریج بڑھ گیا۔ ہر بادشاہت میں اشرافیہ کو خاص مراعات حاصل تھیں۔

متحدہ شلا بادشاہت کادور(668ء - 935ء)

چین کے تانگ شاہی خاندان(Tang Dynasty) کی مدد سے شلا بادشاہت نےاپنی ہم عصر بادشاہتوں کوزیر کرکے جزیرہ

نما کوریا پر اپنا کنٹرول حاصل کر لیا۔ 066ء میں بیکجے بادشاہت اور 668ء میں کوگوریو بادشاہت کو اپنے زیر تسلط کیا اور اس طرح پہلی بار جزیرہ نما کوریا شلا بادشاہت کے تحت متحد ہوگیا۔ صدیوں کی آپس میں مخاصمت کے بعد یہ تاریخی طور پر پہلا موقع تھا کہ جزیرہ نما کوریا مقامی لیڈرشپ کے تحت متحد ہوا۔ اس دور میں بدھ مت کے بہت شاندار ٹمپل تعمیر کئے گئے۔ بدھ مت کو سٹیٹ آئیڈیالوجی کے طور پر اپنایا گیا۔ اس بادشاہت کے دور میں جزیرہ نما کوریا میں تقریباً سو سال امن رہا۔ یہ سلطنت نویں صدی میں اندرونی طور پر اشرافیہ اور کسانوں کے درمیان کشمکش کے نتیجہ میں زوال پزیر ہوئی۔

کوریو بادشاہت کا دور (918 - 1392ء)

آٹھویں صدی کے اواخر میں متحدہ شلا بادشاہت اقتدار کی کشمکش کی وجہ سے اندرونی خلفشار کا شکار ہو کر کمزور ہوگئی۔ جزیرہ نما کوریا میں خانہ جنگی شروع ہو گی اور بعض طاقتور اشرافیہ نے بغاوت کر دی۔ جزیرہ نما کوریا کا کنٹرول حاصل کرنے کے لئے ایک بار پھر ویسے ہی طاقت کا کھیل شروع ہوگیا جیسے پہلے تین الگ بادشاہتوں کے دور میں تھا۔ ایک مقامی لیڈر WangGeon نے 918ء میں کوریو بادشاہت (KoryoDynasty) کی بنیاد رکھی۔ وانگ نے جزیرہ نما کوریا کو ایک بار پھر سے متحد کر دیا۔ آج اسی ''کوریو شاہی خاندان'' کے نام سے کوریا موسوم ہے۔ کوریو بادشاہت نے کنفیوشش ازم کو پولیٹیکل آئیڈیالوجی کے طور پر اپنایا اور ایک موثر تعلیمی نظام دیا۔ جاپان، چین، وسطی اور جنوب مشرقی ایشیا کے ساتھ تجارتی تعلقات استوار کئے۔

بدھ مت کے صحائف ٹرائپٹیکا (Tripitaka) کو وڈ پرنٹنگ بلاکس (Wood Printing Blocs) ٹیکنالوجی کے ذریعہ اسی ہزار سے زائد وڈ پرنٹنگ بلاکس پر کندہ کرنے کا کام اس دور میں ہوا۔ اسی دور میں 1230ء میں چھپائی کے لئے دنیا کی پہلی دھاتی موویبل ٹائپ (Movable Type) جزیرہ نما کوریا میں ایجاد ہوئی جبکہ تقریباً دو سو سال بعد ایک جرمن شہری Johannes Gutenberg نے 1439ء میں یورپی موویبل ٹائپ پرنٹنگ ٹیکنالوجی ایجاد کی۔ چونکہ لکڑی کے بلاک کے مقابلے میں یہ طریقہ سہل اور تیز رفتار تھا اس لئے صرف ایک دہائی میں یورپی پرنٹنگ ٹیکنالوجی نے ایک نئی بلندی کو چھولیا۔ اس دور میں ملک کی تاریخ کو دستاویزی بنایا گیا۔ شاندار سیلڈون سرامکس (کوزہ گری) اس دور کی اہم خصوصیت ہے۔ جزیرہ نما کوریا میں ایک طویل عرصہ تک چینی کرنسی مستعمل رہی۔ کوریو بادشاہت کے دور میں 996ء میں مقامی کرنسی کا اجراء ہوا اور یہ کرنسی کاپر اور لوہے سے بنائے گئے سکوں پر مشتمل تھی۔ حکمران طبقہ کی بدعنوانی کی وجہ سے عوام میں اضطراب اور بے چینی پیدا ہوئی۔ عشروں پر محیط اندرونی خلفشار اور چپقلش کے نتیجے میں یہ سلطنت کمزور ہوگئی اور پھر منگولوں کے مسلسل حملوں نے اس سلطنت کو مزید کمزور کر دیا۔

جزیرہ نما کوریا پر منگولوں کی یلغار

تیرھویں صدی کے آغاز میں چین میں اچانک سیاسی صورتحال تبدیل ہوئی اور چینگیز خان کی قیادت میں متحد منگول قبائل نے چین کا جن شاہی خاندان (Jin Dynasty) فتح کر لیا۔ 1231ء میں چینگیز خان کے بیٹے نے جزیرہ نما کوریا کی جانب رخ کیا۔ منگولوں نے جزیرہ نما کوریا پر 1231ء سے لیکر 1259ء تک سات بار چڑھائی کی۔ کوریو بادشاہت نے بھرپور مزاحمت کی۔ دونوں کے درمیان بعض شرائط پر معاہدہ ہوا لیکن اس معاہدہ کے باوجود منگول قبائل کے ساتھ مزاحمت بھی جاری رہی۔ 1273ء تک تقریباً 41 سال کوریو بادشاہت کی منگولوں کے خلاف مزاحمت نے کوریو سلطنت کو کمزور کر دیا۔ اس مزاحمت کے دوران بہت سے کورین مارے گئے اور منگولوں نے کوریا کے ثقافتی ورثہ کو بہت نقصان پہنچایا۔ آخر کار جزیرہ نما کوریا منگولوں کی vassal state بن گیا۔ 1392ء میں جوسن شاہی خاندان کے قیام تک جزیرہ نما کوریا کو مکمل آزادی نہ ملی۔

جوسن بادشاہت کا دور (1392ء - 1910ء)

کوریو بادشاہت اندرونی طور پر اشرافیہ کی آپس میں اقتدار کی کشمکش، ریڈ ٹربن (Red Turban) اور واکو قزاق (Wako Pirates) کے بیرونی حملوں سے زوال پذیر ہوگئی۔ بیرونی حملہ آوروں کو پسپا کرنے میں ایک کلیدی کردار ادا کرنے والی شخصیت جنرل ایسنگے (YiSeonggye) کی تھی جسے اس کارنامہ پر کافی مقبولیت ملی۔ جنرل ایسنگے نے کوریو بادشاہت کو ختم کر کے 1392ء میں جوسن شاہی خاندان (JoseonDynasty) کی بنیاد رکھی۔ نیو کنفیوشش ازم فلاسفی کو سٹیٹ آئیڈیالوجی کے طور پر اپنایا گیا۔ اس دور میں بدھ مت کے بہت سے ٹمپل منہدم کئے گئے اور بدھ راہبوں کو پہاڑوں پر نکال دیا گیا۔ جوسن دور میں بدھ مت کو کافی دباؤ کا سامنا پڑا جو کئی صدیوں تک محیط رہا۔ ایک طویل مدت کے بعد جب جاپان نے کوریا پر اپنا تسلط قائم کیا تو بدھ مت کو دوبارہ پذیرائی ملی۔ جوسن خاندان کے بادشاہ سیجو نگ (Sejong) کے دور میں 1443ء میں کورین حروف تہجی کا نظام متعارف کروایا گیا اور گورنمنٹ ایڈمنسٹریشن کے لئے بیوروکریسی کا نظام وضع کیا گیا۔ یہ آخری شاہی خاندان تقریباً 500 سو سالہ اقتدار کے بعد 1910ء میں جاپان کے کوریا پر قابض ہونے تک برسر اقتدار رہا۔

جزیرہ نما کوریا جاپان کے زیر تسلط (1910ء - 1945ء)

بیسویں صدی کے آغاز میں روس اور جاپان کے مابین ایک بڑی جنگ (1904ء - 1905ء) جزیرہ نما کوریا اور شمال مشرقی چین کے علاقے پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے لڑی گئی۔ اس جنگ کو TheRusso-Japanese War کہا جاتا ہے۔ جاپان نے روس کو شکست دے کر جزیرہ نما کوریا پر قبضہ کر لیا۔ جاپان نے فتح کے چند سال بعد 1910ء میں کوریا کی آزادی مکمل طور پر سلب کر لی۔ کوریا کے لئے مصائب اور مشکلات کا نیا دور شروع ہوگیا اور اس کے باشندوں کے لئے ان کی اپنی زمین تنگ کر دی گئی۔ دوسری جنگ عظیم کے اختتام تک جزیرہ نما کوریا جاپان کے تحت رہا۔ جنگ عظیم دوم کے بعد امریکہ اور سوویت یونین نے جزیرہ نما کوریا پر کنٹرول حاصل کر کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ سوویت یونین کے زیر اثر شمالی اور امریکہ نے جنوبی حصہ پر کنٹرول حاصل کیا۔ امریکہ اور سوویت یونین کے درمیان سرد جنگ کے باعث مذاکرات ناکام ہوئے اور ایک متحد اور آزاد کوریا کی تشکیل نہ ہوئی۔ 1948ء میں دونوں حصے جنوبی اور شمالی الگ ملک کے طور پر وجود میں آئے۔ ایک جنوبی کوریا اور دوسرا شمالی کوریا کے نام سے دنیا میں جانے جاتے ہیں۔ شمالی اور جنوبی کوریا کے مابین جنگ 25 جون 1950ء کو شروع ہوئی اور 27 جولائی 1953ء کو اختتام پذیر ہوئی۔ اس خونریز جنگ کے نتیجے میں 2.5 ملین سے زائد لوگ لقمہ اجل بنے۔ تین سال کی خونی جنگ کے بعد ایک معاہدہ کے ذریعہ دونوں ملکوں کے مابین 4 کلومیٹر کا بفر زون قائم کرنے پر اتفاق ہوا جو کورین ڈی ملیٹرائزڈ زون (Korean Demilitarized Zone) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس دوران اقوام متحدہ اور امریکا جنوبی کوریا کے ساتھ تھے جبکہ شمالی کوریا کو چین اور سابقہ سوویت یونین کی پشت پناہی حاصل تھی۔ 1953ء میں جنگ بندی عمل میں آئی اور اس کے ساتھ ہی دونوں کوریائی ریاستیں 38 عرض بلد پر مستقل تقسیم ہو کر رہ گئیں۔

جنوبی کوریا میں مذاہب

کورین کی روزمرہ زندگی میں بدھ ازم اور کنفیوشس ازم کا ایک اہم کردار ہے اور تقریباً نصف ثقافتی ورثہ ان دو مذاہب کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ جزیرہ نما کوریا کا روایتی مذہب شمن/شیمن ازم جسے کورین زبان میں ''شن کیو'' کہا جاتا ہے۔ آج بھی کورین کی روزہ مرہ زندگی کا اہم جز ہے۔ مذاہب سے وابستہ لوگوں کے علاوہ ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو کسی مذہب کے ساتھ منسلک نہیں ہے۔ جنوبی کوریا کے 2015ء کے ادارہ شماریات کے مطابق 56% لوگ غیر مذہبی ہیں۔ 2005ء میں غیر مذہب والوں کی تعداد 46% تھی۔ پروٹسٹنٹ عیسائی ملکی آبادی کا 19.7%، بدھ مت 15.5% اور کیتھولک 7.9% ہیں۔ جنوبی کوریا میں ان مذاہب کے علاوہ اسلام کے پیروکار اور دیگر مقامی کورین مذاہب کے پیروکار موجود ہیں۔

کوریا کا ایک اہم تہوار

دنیا کی ہر تہذیب میں تہوار ایک اہم عنصر رہا ہے۔ چوسک (Chuseok) کا تہوار کوریا کے سماجی وثقافتی تہواروں میں سے ایک اہم تہوار ہے جو موسم خزاں کے آغاز پر ستمبر یا اکتوبر کے اوائل میں منایا جاتا ہے یہ تہوار کوریا میں چینی قمری سال کے آٹھویں ماہ کی 15 تاریخ کو چاند کے پورا ہونے پہ منایا جاتا ہے۔ چُوسک فصل کی کٹائی کا موسم ہے جو گرمیوں کے اختتام اور خزاں کی آمد پر منایا جاتا ہے۔ چُوسک کا تہوار دوسری صدی عیسوی میں شلا بادشاہت دور میں شروع ہوا تھا جب دو ٹیموں کے درمیان کپڑا بننے کا یا فصل کی کٹائی کا مقابلہ ہوا تھا جسے گابے (Gabae) کا نام دیا

گیا۔ اس تہوار میں فصل کی کٹائی کے ساتھ کپڑوں کی بُنائی، تیر اندازی، مارشل آرٹس، کشتی، لوک رقص اور متعدد دوسری گیمز اس تہوار کا حصہ بن گئیں۔ یوں چُوسک ایک اہم تہوار کا درجہ اختیار کر گیا۔ اس تہوار کی جڑیں کوریا کے قدیم مقامی روایتی مذہب شمن پرستی سے بھی ملتی ہیں۔ چاند کے پورا ہونے پر فصل کی کٹائی کی شمن تقریبات منعقد ہوتی تھیں۔ اس تہوار کی تاریخ بدھ ازم اور کنفیوشش ازم میں بھی پائی جاتی ہے۔ چوسک والے دن لوگ اپنے گزرے ہوئے آباؤ اجداد کی رسومات ادا کرنے کے لئے شہروں سے اپنے آبائی گھروں کا رخ کرتے ہیں۔ گھروں میں چاول کے آٹے سے تیار کیک جسے songpeyon کہا جاتا ہے اور پین کیک اور بڑے گوشت کی ڈش جسے Bulgogi کہتے ہیں، تیار کیا جاتا ہے۔ کورین روایتی لباس زیب تن کیا جاتا ہے جسے Hanbok کہتے ہیں۔ چوسک کے تہوار پر ایک دوسرے کو تحائف دیئے جاتے ہیں۔ تحائف میں زیادہ تر عام روزمرہ استعمال کی چیزیں ہوتی ہیں۔ چوسک تہوار کے ساتھ دو اہم رسومات منسلک ہیں۔ ایک تو گھر میں فوت شدہ آباو اجداد کیلئے رسومات ادا کی جاتی ہیں جسے Charye کہتے ہیں اور دوسرا اپنے آباؤ اجداد کی قبروں پر جا کر رسومات ادا کرتے ہیں جسے Seongmyo کہتے ہیں۔ فوت شدگان کی یاد میں قبر کے قریبی علاقے کی اچھی طرح صفائی کرتے ہیں اور اس میں پودے اور درخت لگاتے ہیں۔

جنوبی کوریا کا پستی سے بلندی کا سفر

1960ء کی دہائی میں جنوبی کوریا کی جی ڈی پی فی کس آمدنی 64 ڈالر زتھی اور جی ڈی پی صرف 2.78 بلین ڈالرز تھا جو کہ اب 2.418 ٹریلین، کھرب، ڈالر ہے اور فی کس آمدنی 46451 ڈالر ہے۔ جنوبی کوریا دنیا کی چوتھی بڑی میٹروپولیٹن اکانومی ہے۔ جنوبی کوریا برآمدات کے لحاظ سے دس ممالک کی فہرست میں شامل ہے۔ 1960ء کے بعد جنوبی کوریا نے صرف بیس سال کے دوران اپنی حیثیت کو فقید المثال وسعت دی جسے تاریخ میں دریائے ہان کا معجزہ (Miracle of Han River) کہا جاتا ہے۔ متعدد عالمی معیار کی جامعات اور تحقیقی ادارے قائم ہیں۔ الیکٹرونکس، آلات انجینئرنگ، جہاز سازی، گاڑیاں بنانے کے کارخانے اور دیگر صنعتیں ان اداروں کی بدولت ہیں۔ جنوبی کوریا کا پستی سے بلندی کا سفر تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی، تحقیق و جدت طرازی پر ہے۔ جنوبی کوریا دنیا کی 20 بڑی اقتصادی طاقتوں کے گروپ جی ٹوئنٹی (G20) میں شامل ہے۔ جنوبی کوریا کے پرائیویٹ شعبہ میں کار کی صنعت قابل ستائش ہے۔ جس میں مشہور کمپنیاں ''ہنڈائی'' (Hyundai) اور ''کیا'' (Kia) موٹرز ہیں۔ اس کے علاوہ الیکٹرانک کے شعبہ میں ''سام سنگ'' (Samsung) اور ''ایل جی'' (LG) کے نام ہیں۔ اس کے علاوہ ''ایس کے'' (SK) اور ''کے ٹی'' (KT) سیلولر کمپنیاں ہیں۔ انکی سروسز پر ریگولیٹری کنٹرول ہے، جس کی وجہ سے جرائم کم ہیں۔ بڑے ڈیپارٹمنٹ سٹور کے شعبہ میں ''لوٹے'' (Lotte) اور ''ہوم پلس'' (Homeplus) مشہور ہیں۔

جنوبی کوریا میں احمدیت کے قیام کی مختصر تاریخ

23 مارچ 1889ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے جماعت احمدیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ 23 مارچ 1989ء میں جماعت کے قیام کو ایک صدی مکمل ہوئی۔ اس صدی کے دوران احمدیت قادیان کی بستی سے نکل کر دنیا کے کناروں تک جا پہنچی۔ دنیا کے ان کناروں میں سے ایک کنارہ جنوبی کوریا کے ہمسایہ میں ملک جاپان ہے جسے چڑھتے سورج کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے۔ 1989ء میں جماعت کے قیام پر سو سال مکمل ہونے کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے جن ممالک کا دورہ فرمایا ان میں ملک جاپان کو عزت و برکت عطا فرمائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے 24 جولائی 1989ء کو جاپان میں ورود فرمایا۔ پہلی مرتبہ خلیفۃ المسیح نے سرزمین جاپان پر مبارک قدم رکھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے دورہ جاپان کے وقت تک جنوبی کوریا میں جماعت موجود نہ تھی تاہم گاہے بگاہے جاپان سے احمدی احباب تبلیغ اور ویزا کی غرض سے جنوبی کوریا آتے تھے جو وہاں پر مختصر قیام کے بعد جاپان واپس چلے جاتے۔ حضور رحمہ اللہ کے ملک جاپان کے دورہ کی برکت سے کچھ عرصہ بعد مختلف ممالک بالخصوص پاکستان سے احمدی احباب روزگار کے لئے جنوبی کوریا آنا شروع ہوئے۔ 1993ء میں جنوبی کوریا میں انتخاب کے ذریعہ لوکل جماعتی عاملہ کے چند عہدیدران کا تقرر ہوا اور اس طرح باقاعدہ جماعتی نظام کے قیام سے جماعت احمدیہ جنوبی کوریا کا قیام عمل میں آیا۔ 1995ء تک جماعت احمدیہ جنوبی کوریا احمدیہ مشن جاپان کے ماتحت تھی۔ مکرم سیف اللہ قمر صاحب جنوبی کوریا کے پہلے صدر مقرر ہوئے۔ بعدہ مکرم منیر نواز صاحب، مکرم محمد اعظم ندیم صاحب، مکرم کاشف عظیم عارف صاحب، مکرم حمید نواز کاہلوں صاحب، مکرم احسان احمد باجوہ صاحب، مکرم ملک داؤد احمد صاحب کو بطور صدر جماعت جنوبی کوریا خدمت کی توفیق ملی۔ آجکل مکرم خواجہ طارق شمیم صاحب بطور نیشنل صدر جماعت جنوبی کوریا خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔

جاپان سے جزیرہ نما کوریا میں وفود کی آمد

جزیرہ نما کوریا کے ہمسایہ ملک جاپان میں احمدیت کا نفوذ جنگ عظیم دوم سے پہلے ہوا۔ جاپان میں احمدیہ مشن کا قیام حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے دور مبارک میں 1935ء میں عمل میں آیا تھا۔ مکرم صوفی عبد القدیر نیاز صاحب پہلے مبلغ سلسلہ کی حیثیت سے 4 جون 1935ء کو جاپان پہنچے اور 10 جنوری 1937ء کو مکرم مولوی عبد الغفور ناصر صاحب دوسرے مبلغ کی حیثیت سے جاپان تشریف لے گئے اور وہاں احمدیت کے پیغام پہنچانے کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ 1941ء میں واپس قادیان تشریف لے آئے۔ پھر جنگ عظیم دوم کے بعد ستمبر 1969ء میں مکرم میجر عبد الحمید صاحب بطور مبلغ جاپان پہنچے۔ آپ 1975ء تک وہاں قیام پذیر رہے۔ 1975ء میں مکرم امام عطاء المجیب راشد صاحب جاپان تشریف لائے اور 1983ء تک جاپان میں مقیم رہے۔ ماہ جنوری 1982ء میں جاپان سے مکرم عطاء المجیب راشد صاحب (سابق امیر و مبلغ انچارج جاپان) نے تبلیغی جائزہ کے لئے جنوبی کوریا کا دورہ کیا۔ خاکسار کی درخواست پر امام صاحب نے جنوبی کوریا میں اپنے اس تبلیغی سفر اور دیگر ابتدائی سفروں کے بارے میں تحریر فرمایا کہ انہیں 10 فروری 1975ء میں جاپان آنے کے بعد وہاں پر بطور مبلغ قیام کا ویزا حاصل کرنے کی غرض سے 1975ء میں چند روز کے لئے دوبار جنوبی کوریا جانے کا موقع ملا۔ ایک بار پوری تفصیلی

درخواست جاپانی سفارت خانہ میں داخل کرنے کے لئے اور دوسری بار اس کے تین ماہ بعد ویزا لگوانے کے لئے۔ ماہ جنوری 1982ء میں آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے ارشاد کی تعمیل میں جنوبی کوریا کا دورہ کیا اور آپ کے اس دورہ کا دورانیہ سات آٹھ روز تھا۔ آپ نے اس دورہ کے دوران وہاں کے ماحول کا جائزہ لیا۔ آپ کو دارالحکومت سئیول میں واقع مسجد جانے کا اتفاق ہوا۔ چند سال پہلے جنوبی کوریا کی حکومت نے مقامی مسلمانوں کی ضرورت کے پیش نظر اسلامک سینٹر بنانے کے لئے زمین کا عطیہ دیا اور بالخصوص سعودی عرب نے وہاں پر مسجد کی تعمیر کے لئے خرچ ادا کیا۔ اس مرکز میں نمازوں کے علاوہ بچوں کی اسلامی تدریس کا انتظام اور لائبریری بھی ہے۔ وہاں انہیں لوگوں سے بات چیت میں معلوم ہوا کہ کورین لوگ معاشی ضروریات کے پیش نظر کافی تعداد میں سعودی عرب جاتے ہیں۔ وہاں اسلام بھی قبول کر لیتے ہیں اور رفتہ رفتہ مسلمان کورین کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ اس طرح دونوں ممالک میں باہم سوشل تعلقات بھی بڑھ رہے ہیں۔ پھر آپ کو جنوبی کوریا کے جنوبی شہر بوسان کے قریب ایک اور مسجد بھی دیکھنے کا موقع ملا جس کے ساتھ مدرسہ بھی تھا۔ 1983ء میں ایک بار پھر انہیں جنوبی کوریا جانے کا موقع ملا۔ اس سفر میں آپ کو ایک اہم خدمت بجالانے کی توفیق ملی۔ جنوبی کوریا جاتے ہوئے آپ اپنے ساتھ انگریزی اور جاپانی زبان میں شائع شدہ اسلام و احمدیت کے تعارف کی چند کاپیاں لے گئے اور وہاں جا کر خیال آیا کہ یہاں کے لوگوں کو احمدیت سے متعارف کروانے کے لئے اس فولڈر کا کورین زبان میں ترجمہ کروانا چاہئے۔ امام صاحب نے دعا کے بعد اس کام کا عزم کر کے کافی محنت سے ایک یونیورسٹی پروفیسر سے رابطہ کیا۔ وہ کورین زبان کے ماہر تھے۔ ان سے فولڈر کا ترجمہ کروایا اور اس کی اشاعت سے قبل ایک اور ماہر زبان سے اس ترجمہ کے بارہ میں رائے لی۔ انہوں نے بغور پڑھ کر رائے دی کہ ترجمہ عمدہ ہے اور اصلی مضمون کے مطابق ہے۔ اس کے بعد یہ فولڈر 5 ہزار کی تعداد میں شائع کروالیا۔ یہ فولڈر کورین زبان میں شائع ہونے والا پہلا تبلیغی فولڈر تھا اور انہیں جنوبی کوریا میں اپنے مختصر قیام کے دوران یہ فولڈر سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر تقسیم کرنے کے علاوہ یونیورسٹی کے طلبہ و طالبات اور ایک شاپنگ سینٹر

میں بھی کثرت سے تقسیم کرنے کا موقع ملا۔ یکم جون 1983ء کو جانے والے تبلیغی وفد کے ممبران نے بھی یہ فولڈر تقسیم کیا۔ الحمدللہ علی ذالک۔ یہ وفد تین افراد پر مشتمل تھا جو سب ٹوکیو میں رہنے والے تھے جبکہ اس وقت تک جماعت احمدیہ جاپان کا مرکز ''احمدیہ سینٹر'' ناگویا میں منتقل ہو چکا تھا۔

مکرم امام عطاء المجیب راشد صاحب کے بعد مکرم مولانا مغفور احمد منیب صاحب (سابق امیر و مبلغ انچارج جاپان) 1979ء تا 1995ء جاپان میں قیام پذیر رہے۔ آپ کی زیر نگرانی بھی جاپان سے جنوبی کوریا میں تبلیغی وفود کے آنے کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ کی زیر نگرانی جماعت احمدیہ جاپان کے دو ممبران پر مشتمل ایک وفد نے دسمبر 1984ء میں جنوبی کوریا کا دورہ کیا۔ وفد نے جنوبی کوریا میں دعوت الی اللہ کے لئے ماحول کا مکمل جائزہ لیا اور مختلف طبقہ ہائے فکر کے لوگوں سے ملاقات کی اور جماعتی لٹریچر تقسیم کیا۔ مکرم مولانا مغفور احمد منیب صاحب بھی بعض تبلیغی وفود کے ساتھ جنوبی کوریا آتے رہے۔ 1993ء میں آپ کو جنوبی کوریا میں عاملہ کے عہدیداران کا انتخاب بھی کروانے کی توفیق ملی۔ انتخاب کے ذریعہ سے لوکل مجلس عاملہ کے عہدیداران کا تقرر ہوا اور اس طرح لوکل عاملہ کے عہدیداران کے تقرر سے باقاعدہ جماعت احمدیہ کوریا کا قیام عمل میں آیا۔

دراصل جاپان سے احمدی احباب کے جنوبی کوریا میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ پاکستان اور دیگر کئی ممالک کے شہریوں کے لئے جاپان آنے کا ویزہ نہ تھا اور جاپان داخلہ کے وقت تین ماہ کی انٹری دے دی جاتی تھی۔ اس سہولت سے فائدہ اٹھانے والے جاپان کے نزدیک ترین ملک جنوبی کوریا کا سفر اختیار کرتے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد پھر دوبارہ واپس جاپان آجاتے۔ احمدی احباب بھی اس سہولت سے فائدہ اٹھا کر جاپان سے جنوبی کوریا آکر مختصر قیام کے بعد واپس دوبارہ جاپان آجاتے تھے۔ جاپان سے احباب جماعت کے جنوبی کوریا جانے اور واپس آنے کے عمل کو باقاعدہ وقف عارضی کے نظام میں ڈھال لیا گیا۔ اس طور پر جاپان سے کئی وفود جنوبی کوریا آئے۔ احمدی احباب جنوبی کوریا میں مختصر قیام کے دوران اپنا وقت کورین احباب کو تبلیغ کرنے میں گزارتے۔ یہ وفود جنوبی کوریا میں دعوت الی اللہ کے لئے پروفیسرز، طلباء، کلرک، ورکرز اور دیگر مختلف طبقہ ہائے فکر کے لوگوں سے ملاقات کر کے ان کو لٹریچر بھی تقسیم کرتے۔ انکی ان تبلیغی سرگرمیوں سے مقامی کورین احباب سے اچھے روابط بھی قائم ہوئے۔ جاپان سے جنوبی کوریا آنے والے احباب جماعت میں مکرم مبشر احمد صاحب زاہد، مکرم مرزا ظفر احمد صاحب، مکرم سید طاہر احمد صاحب، مکرم طلعت محمود صاحب، مکرم محمود احمد صاحب، مکرم انصر احمد صاحب اور مکرم شاہد رضوان صاحب و دیگر شامل ہیں۔ ان میں سے بعض احباب کو جنوبی کوریا میں وقف عارضی کرنے اور بعض کو تبلیغی وفود میں شامل ہونے کی توفیق ملی۔ خاص طور پر مکرم مقبول احمد شاد صاحب قابل ذکر ہیں۔ ان کو لمبا عرصہ بار بار وقف عارضی کی توفیق ملی۔

پہلے تبلیغی وفد کی ایمان افروز رپورٹ

1983ء میں جو پہلا تبلیغی وفد 11 مئی کو جنوبی کوریا روانہ ہوا۔ اس وفد کی رپورٹ روزنامہ الفضل یکم جون 1983ء میں دفتر وکالت تبشیر ربوہ کی طرف سے ان الفاظ میں شائع ہوئی کہ:

''مکرم عطاالمجیب راشد صاحب امیر و مبلغ انچارج جاپان اطلاع دیتے ہیں کہ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں پچھلے سال جنوری میں جنوبی کوریا کا دورہ کر کے تبلیغی جائزہ لیا۔ اب حضور کے اس ارشاد کی تعمیل میں کہ سو ممالک میں مشن قائم کئے جائیں۔ پہلا تبلیغی وفد گیارہ مئی کو جنوبی کوریا کے لئے روانہ ہوگیا۔ یہ وفد مشتمل ہے مبشر احمد زاہد قائد خدام الاحمدیہ ٹوکیو، سید الطاف احمد صاحب اور مکرم مرزا ظفر احمد صاحب صدر جماعت ٹوکیو پر۔ محترم مرزا ظفر احمد صاحب امیر وفد ہیں۔ احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اہل کوریا کے سینوں کو اسلام کے لئے کھول دے۔ اور یہ زمین بھی اسلام کے نور سے جلد منور ہو جائے۔۔''

(روزنامہ الفضل یکم جون 1983ء)

1983ء میں جنوبی کوریا جانے والے پہلے تبلیغی وفد میں مکرم مرزا ظفر احمد صاحب شہید امیر وفد تھے جو دارالذکر لاہور میں 28 مئی 2010ء کو دہشتگردی کے سانحہ میں شہید ہوئے۔ مکرم مرزا ظفر احمد صاحب نے جاپان میں اکیس سال قیام کیا اور وہاں پر جماعتی خدمات کی توفیق پائی۔

اس پہلے تبلیغی وفد کے ممبران کی ایمان افروز رپورٹ روزنامہ الفضل 9 جون 1983ء کے فرنٹ پیج پر درج ذیل الفاظ کے ساتھ شائع ہوئی۔ وفد کے ممبران نے لکھا کہ:

''اس سفر کے انتظامات کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے بے شمار نظارے ہم نے دیکھے پیسے نہیں تھے اللہ تعالیٰ نے انتظام فرما دیا۔ ویزے نہیں تھے اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی انتظام فرما دیا۔ کوریا پہنچنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہمارا ہاتھ ہے اُس نے اپنے فضل سے سب انتظامات فرمائے۔ ہمیں ذرا بھی دقت نہیں ہوئی۔ ایسا ملک جہاں ہمیں کوئی نہ جانتا تھا، جہاں کی زبان ہم نہ جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے ایسے انتظامات فرمائے کہ از خود ہمارے لئے ترجمان اور رہبر بھجوا دیے۔ ہم کچھ اور سوچتے تھے اور ہمیں کہیں اور لے جاتے تھے۔ اور وہیں پر ہمیں ہمارے مطلب کے آدمی مل جاتے تھے۔۔۔۔ ایک دوست مسٹر پارک شروع سے آخر تک ہمارے ساتھ رہے اپنا کاروبار چھوڑ کر ہمیں کار میں لئے پھرتے رہے۔ ایک یونیورسٹی کے پروفیسر مسٹر Jung جو پی ایچ ڈی ہیں اُنہوں نے نہایت مفید معلومات بہم پہنچائیں۔ ایک طالب علم مسٹر CHO نے بہت وقت دیا۔۔۔۔ سلسلہ کے متعلق جسے لٹریچر دیا اُس نے بخوشی قبول کیا۔''

(الفضل 9 جون 1983ء)

ابتدائی احباب جماعت کی تبلیغی مساعی

جنوبی کوریا میں نوے کی دہائی کے آغاز میں احمدی احباب بالخصوص پاکستان سے روزگار کے لئے جنوبی کوریا آنا شروع ہوئے اور بتدریج احمدی احباب کی تعداد بڑھنا شروع ہوئی۔ ابتداء میں جنوبی کوریا میں مکرم اطہر محمود صاحب، مکرم محمد اشرف صاحب بھلی،، مکرم محمد رفیق صاحب ڈھلوں، مکرم خالد ناصر صاحب، مکرم مختار احمد صاحب، مکرم چوہدری وسیم احمد صاحب، مکرم اعجاز احمد صاحب، مکرم سیف اللہ قمر صاحب، مکرم انعام اللہ عابد صاحب، مکرم عارف محمود صاحب، مکرم سید فرحان شکور صاحب، مکرم منیر نواز صاحب، مکرم اسلم علی صاحب اور دیگر چند احمدی احباب تھے۔ 1990ء کے آخر میں مکرم اطہر محمود صاحب نے حضور انور کی خدمت میں جنوبی کوریا میں وقف عارضی کرنے کی اجازت عنایت کرنے کی درخواست کی۔ حضور رحمہ اللہ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا اور اجازت عنایت فرمائی۔ 1991ء میں مکرم اطہر محمود صاحب فیملی کے ساتھ وقف عارضی کے لئے جاپان سے جنوبی کوریا تشریف لائے۔ مکرم محمد اشرف بھلی صاحب کو کورین مترجم کے طور پہ فرائض کی توفیق ملتی رہی۔ مکرم اطہر صاحب نے ایک مکان کرایہ پر لیا۔ اطہر صاحب کے جنوبی کوریا میں قیام کے بعد اس مکان کو باقاعدہ جماعتی سینٹر میں تبدیل کر دیا گیا۔ قرآن کریم کے کورین ترجمہ کی طباعت ہو چکی تھی اور اسکی ترسیل کے لئے اطہر صاحب نے کام کا باقاعدہ آغاز کیا۔ بعد میں کورین ترجمہ قرآن کریم پبلک اور یونیورسٹی لائبریریوں اور مختلف تعلیمی اداروں میں رکھوائے گئے۔ جنوبی کوریا میں کیوبو (Kyobo) نامی ایک بڑا بک سٹور ہے۔ اس بک سٹور میں احباب جماعت نے متعدد بار قرآن کریم کے سٹال لگائے اور کورین احباب کو لٹریچر کی تقسیم کے ساتھ تبلیغ کرنے کی توفیق پائی۔ ابتداء میں ایک مقامی کورین کے تعاون سے اس بک سٹور پر قرآن کریم کے کورین ترجمہ کے نسخے رکھوائے جاتے تا کہ کورین افراد اسلام کی تعلیمات سے براہ راست بہرہ مند ہوسکیں۔ احمدی احباب ہر ہفتہ و اتوار کی سرکاری تعطیل پر جماعتی پروگرامز میں شامل ہوتے اور کورین میں ترجمہ شدہ پمفلٹس پبلک مقامات پر لوگوں میں تقسیم کرتے۔ آغاز میں احمدی احباب کی کوششوں سے بعض مقامی کورین سے تبلیغی روابط بنے اور بعض بیعتیں بھی ہوئیں۔ ان میں سے ایک مسٹر ''چی'' تھے جن کا اسلامی نام محمد علی رکھا گیا۔ موصوف پیشہ کے اعتبار سے پراپرٹی ڈیلر تھے۔ ایک اور کورین مکرم ابراہیم لی صاحب نے احمدیت قبول کی تھی۔ لی صاحب ربوہ بھی تشریف لائے۔ 1995ء میں لندن میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی ہومیو پیتھک کلاس میں شامل ہوئے اور حضور انور نے موصوف کے تعارف کے بعد ہومیو پیتھی کے نظام کا جامع اور تفصیلی تعارف کروایا۔

(الفضل انٹرنیشنل 10 فروری، 1995ء صفحہ 1)

بدقسمتی سے بعد میں ان کورین احباب کا تعلق نظام جماعت سے نہ رہا۔

جنوبی کوریا کے اوئی جنگبو شہر کے علاقہ سے جمیلہ کم نامی کورین خاتون نے برطانیہ کے جلسہ سالانہ میں شرکت کی اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے ملاقات کی سعادت پائی۔ حضرت خلیفۃ بقیہ صفحہ 12 پر

اعلان دعا

مکرم حافظ محمود احمد طاہر (ریجنل مبلغ سلسلہ فری ٹاؤن ویسٹرن ریجن سیرالیون) تحریر کرتے ہیں کہ

خاکسار کی بڑی ہمشیرہ محترمہ شبانہ فردوس دل کے عارضے سے بیمار ہیں۔ انہیں طاہر ہارٹ انسٹیٹیوٹ میں مصنوعی دل کی دھڑکن کا آلہ (pacemaker) لگایا گیا ہے۔ ان کا ایک بیٹا کچھ سال پہلے 22 سال کی عمر میں بجلی کا جھٹکا لگنے سے وفات پا گیا تھا اور ایک بیٹے مکرم بلال احمد قمر مربی سلسلہ جامعۃ المبشرین گھانا میں بطور استاد خدمت بجا لا رہے ہیں۔

احباب جماعت سے درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شافی مطلق ہماری ہمشیرہ کو شفائے کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ آمین

نبیلہ فوزی رفیق۔ ناروے

درِّثمین فارسی کے محاسن

از میاں عبد الحق رامہ مرحوم

فارسی اور عربی زبان کے ماہر اور ’’فارسی درِّثمین کے محاسن‘‘ کے مصنف جناب میاں عبدالحق رامہ صاحب جنہوں نے پہلی مرتبہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی فارسی زبان میں لکھی ہوئی درِّثمین کا موازنہ دنیا کے بڑے بڑے شعراء کی شاعری کے ساتھ کرتے ہوئے حضورؑ کی شاعری کی خوبیاں اور اعلیٰ درجے کے وہ لطیف نقاط جو حضورؑ کی اس تصنیف کو دوسروں سے بلحاظ ادبی محاورہ جات، خوبصورت اسلوب، زبان کی ندرت، فارسی محاوروں کا برمحل استعمال کے ساتھ ساتھ وہ منصب جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا تھا اور جس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں بھیجا تھا۔ اس مقصد کی تکمیل کو اس کتاب کی تصنیف سے بھی اتنا ہی ربط ہے جتنا دوسرے روحانی خزائن سے۔ خاکسار کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ میاں عبد الحق رامہ صاحب رشتے میں میرے پھوپھا ہیں۔ آپ چونکہ فارسی زبان کے ساتھ ساتھ عربی زبان کے بھی ماہر تھے، ربوہ میں خاکسار کی دو بڑی بہنوں نے اور خاکسار نے بھی کالج کے زمانہ میں عربی نصاب پڑھنے میں ان سے مدد لی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ میں ان کے پاس عرض لے کر گئی کہ مجھے عربی کی کتاب میں مدد چاہئے۔ انہوں نے فوراً مجھے وقت دے دیا، اگلے روز جب میں ان کے کمرے میں گئی۔ میرا خیال تھا یہ فارغ ہونگے اور صرف میری کتاب کی طرف توجہ کریں گے، مگر یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ اپنے کمرے کے بڑے سے گول میز پر کرسی پہ بیٹھے ہیں ان کے اردگرد کتابیں اور مختلف قسم کی دستاویزات اور مسوّدے پڑے ہیں، اور موصوف کچھ لکھنے میں مصروف ہیں، میں نے سلام کیا تو بڑی محبت سے جواب دے کر کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔

ساتھ ہی فرمایا کہ بیٹھ کر پڑھتی جاؤ میں سن رہا ہوں، میں پڑھتی رہی وہ اپنی کتاب پر لکھتے بھی رہے اور میرے سبق پر بھی پوری توجہ کے ساتھ سوالوں کے جواب دیتے رہے۔

اللہ تعالیٰ پھوپھا جان کی مغفرت فرمائے۔ مجھے اس دن یہ بھی احساس ہوا کہ اتنا عالم شخص جن کے پاس سلسلے کا اتنا کام ہے وہ کیوں اپنی ایک رشتے دار لڑکی کو پڑھانے کا وقت دے رہے ہیں۔

ان کے اندر اقربا پروری کی صفت حد سے زیادہ تھی۔ عزیز و اقارب میں کوئی بھی ان سے مدد کا طلب گار ہوتا کبھی بھی انکار نہ کرتے۔ میرے والد صاحب (کیپٹن ڈاکٹر بشیر احمد سابق درویش قادیان) کے ساتھ ہمیشہ سے ہی دوستی اور رشتے داری کا تعلق تھا۔ خاندان اور محلے والوں کے ساتھ تعلقات نبھانے اور ہر کس و ناکس کی مدد کرنے اور اُلجھے کام سلجھانے کا ان کو بہت فن تھا یا یہ کہنا چاہئے کہ وقت نکال کر دوسرے کے کام میں دلچسپی لیتے تھے۔

چند مہینے قبل خاکسار نے ان کی لکھی ہوئی، کتاب ’’درِّثمین فارسی کے محاسن‘‘ کو صحیح معنوں میں پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش شروع کی، یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کتاب کو پڑھنا اور پھر سمجھنا آسان کام نہیں۔

کتاب حضرت امام الزماںؑ کی ہو اور اس کے محاسن ایک فارسی کے عالم (مکرم عبدالحق رامہ صاحب) نے بیان کئے ہوں، وہ میرے جیسے کم فہم کو کیسے سمجھ آ سکتی ہے۔

موصوف نے انتہائی عالمانہ زبان استعمال کی ہوئی ہے، جسے ایک مرتبہ پڑھ کر سمجھا نہیں جا سکتا۔ میں نے بار بار اس کتاب کو پڑھا ہے لیکن اس کو سمجھنے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اس سے پہلے کہ درِّثمین کے اشعار کو دیکھا جائے اور کتاب کی بات کی جائے، میں ضروری سمجھتی ہوں کہ آپ جناب کی زندگی اور جماعتی خدمات کا کچھ نہ کچھ پس منظر قارئین کے سامنے رکھا جائے۔

تعلیم اور ملازمت

آپ ریاست کپورتھلہ کے صحابی خاندان کے ایک صحابی حضرت منشی خدا بخش صاحبؓ کے فرزند تھے۔ 1899ء میں پیدا ہوئے۔ اسکول کے زمانہ طالبِ علمی سے ہی ذہین اور محنتی تھے۔ میٹرک میں اعلیٰ نمبر حاصل کئے، اسکالرشپ کے حق دار ہوئے اور کپورتھلہ کالج سے ایف۔ اے کرنے کے بعد عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں منشی فاضل اور بی۔ اے کے امتحانات پاس کئے اور ملٹری کے محکمہ اکاؤنٹس میں ملازمت اختیار کر لی۔ تقسیمِ ہند کے وقت دہلی میں ملازمت کی وجہ سے رہائش پذیر تھے۔ تقسیم کے وقت ہجرت کر کے کراچی میں آ کر آباد ہوئے۔ کراچی میں اس وقت بہت کم احمدی تھے اور چندہ دہندگان کی صورت حال بھی بہتر نہ تھی۔

جناب شیخ رحمت اللہ صاحب اپنے ایک مضمون میں ان کے کراچی آنے کے بعد کے حالات کے متعلق لکھتے ہیں کہ ’’محترم عبدالحق صاحب رامہ جو تقسیمِ ہند کے بعد دہلی سے تشریف لائے، جماعت کے سیکرٹری مال مقرر ہوئے۔ مکرم رامہ صاحب ملٹری اکاؤنٹس کے آدمی تھے۔ انہیں مالی معاملات کا بہت وسیع تجربہ تھا۔ انتظامی قابلیت بھی بہت تھی۔ کراچی کو کئی حلقوں میں تقسیم کر کے اس انداز سے محاصل مقرر کئے تا کہ چندہ دینے والوں کو سہولت رہے۔ بفضلِ اللہ ان کی یہ سعی کامیاب رہی اور آج بھی کراچی جماعت کا مالی نظام معمولی تبدیلیوں کے ساتھ ان کے وضع کردہ اصول پر چل رہا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بھی ان کے کام پر بارہا اظہارِ خوشنودی فرما چکے تھے۔

چنانچہ کراچی کے ایک دورہ کے دوران فرمایا کہ رامہ صاحب جیسے کارکن کی مرکز میں زیادہ ضرورت ہے۔ اس لئے ان کو ناظر بیت المال مقرر کرتا ہوں۔

(الفضل 8 جنوری 1995ء)

1954ء میں مکرم رامہ صاحب نے واقفِ زندگی کی درخواست دی جو منظور کر لی گئی۔ 1955ء سے 1973ء تک آپ نے بطور ناظر بیت المال، ناظر زراعت، ممبر مسجد اقصیٰ کمیٹی، فضلِ عمر فاؤنڈیشن، نصرت جہاں اسکیم اور کئی دوسری حیثیتوں میں جماعتی خدمات کیں۔ زندگی کے آخری سانسوں تک اسلام اور جماعت کی خدمت میں مصروف رہے۔ انجمن سے ریٹائر ہونے کے بعد مولانا ابوالمنیر نورالحق کے زیرِ نگرانی ’’الشرکۃ اسلامیہ‘‘ سے چھپنے والی جماعتی کتب کی نظر ثانی آپ کے ذمے تھی۔

بچپن میں حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کے واقعات

جو بچہ امام آخر الزماں کے اوّلین صحابی کی اولاد ہو، اور صحابی بھی وہ جو اپنے امام پر جان دیتا ہو، جو میلوں میل چل کر جمعہ کی نماز پڑھنے آتے

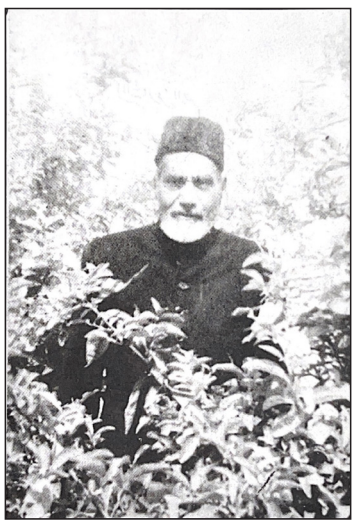

ہوں۔ ظاہر ہے بچے کو بھی تو امام الزماں کی صحبت اور زیارت نصیب ہوئی ہوگی۔ بالکل! کیوں نہیں! ایسا کئی بار ہوا تھا۔ 1899ء میں پیدا ہونے والا بچہ 1908ء تک نویں سال میں قدم رکھ چکا تھا۔

صحابی والدینؓ کی اولاد جس کو اکثر اپنے والدین کے ساتھ حضرت امام مہدیؑ کی زیارت کرنے کا موقعہ ملا ہو۔ اس بچے کے ذہن میں یقیناً کچھ مناظر اور پرچھائیاں ضرور نقش ہونگیں جو بڑی عمر تک بھی محفوظ رہیں (چونکہ ہماری ان سے رشتے داری تھی، تقریباً ہفتے میں ایک دو مرتبہ تو ضرور ملاقات ہو جاتی تھی۔ تھوڑی ہی سہی، سلام دعا کی حد تک ہی سہی مگر یہ ہمیں معلوم تھا کہ ہمارے پھوپھا جان ایک جیّد اور اوّلین صحابی کی اولاد ہیں اور انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کا زمانہ بھی پایا ہے اور ان کی زیارت بھی کی ہوئی ہے)۔ حضرت اقدسؑ سے زیارتوں کے کچھ مناظر ان کے ذہن اور دماغ میں محفوظ تھے اور کچھ باتیں اپنے بڑوں سے سنی ہوئی تھیں جو انہیں یاد تھیں۔ ان میں سے کچھ کا ذکر کرنا مناسب ہے۔

ایک نظارہ جو ان کے ذہن میں زیادہ واضح نقش تھا اس کے متعلق ان کا بیان ہے کہ ’’مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ صبح کا وقت تھا۔ کافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سورج ابھی طلوع ہوا ہی تھا۔ خاکسار اور خاکسار کی والدہ اور ہمشیرہ ایک برآمدے میں داخل ہوئے۔ یہ یاد نہیں کہ مذکورہ برآمدے میں کدھر سے داخل ہوئے، صرف اتنا یاد ہے کہ برآمدے کے بائیں طرف ایک کوٹھری میں حضور علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ اس کوٹھری کا دروازہ برآمدے میں تھا۔ اور دائیں طرف کی دیوار میں ایک کھڑکی تھی شائد دروازے کے بالمقابل بھی ایک کھڑکی تھی۔ کوٹھری میں کوئلوں کی ایک دہکتی انگیٹھی تھی اور ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی جس پر کوئی چادر نہیں بچھی ہوئی تھی۔ حضورؑ چارپائی کے سرہانے کی طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ اور رُخِ مبارک پائنتی کی طرف تھا۔ جو دروازے کی طرف تھی۔ حضور نے ایک کشمیری لوئی اوڑھ رکھی تھی۔ جس کا رنگ اونٹ کے بالوں کی طرح اور کنارہ سبز تھا۔ پاؤں مبارک لوئی میں چھپے ہوئے تھے۔ حضور خاموش بیٹھے تھے ہم تینوں نے چاندی کا ایک ایک روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ خاکسار کی والدہ سے حضورؑ نے کچھ باتیں کیں۔ لیکن کیا باتیں کیں اور ہم کب وہاں سے واپس ہوئے کچھ یاد نہیں مگر حضورؑ کی شبیہ مبارک دماغ میں نقش ہے۔‘‘

موصوف کے پاس حضرت اقدس علیہ السلام کے متعلق دو واقعات بتانے کے لئے اور بھی تھے مگر یہ واقعات ان کو یاد نہیں تھے، ان کے والد صاحب، صحابی حضرت منشی خدا بخش صاحبؓ انہیں سنایا کرتے تھے۔ زیارت کے یہ واقعات بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ ’’والد صاحب مرحوم بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ مسجد اقصیٰ میں کچھ احباب جمع تھے۔ اور حضرت اقدس کا انتظار ہو رہا تھا یہ عاجز (مکرم عبدالحق رامہ صاحب) لوٹوں اور ٹونٹیوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے مجھے جھڑکا، میں نے رونا شروع کر دیا، والد صاحب کے ہر چند کوشش کرنے پر چپ نہ ہوتا تھا۔ آخر میں اس شرط پر چُپ ہوا کہ جب حضور اقدسؑ تشریف لائیں گے تو پھر رونا شروع کر دوں گا۔ والد صاحب نے سمجھا کہ بچہ ہے اسے کہاں یاد رہے گا۔ لیکن جب حضورؑ تشریف لائے تو

میں نے پھر رونا شروع کر دیا۔ اس پر حضور اقدسؑ نے بچوں سے نرم سلوک کرنے پر چھوٹی سی تقریر فرمائی۔‘‘

دوسرا واقعہ محترم عبدالحق رامہ صاحب کے والد صاحب جو اپنے بیٹے کو سنایا کرتے تھے وہ کچھ یوں ہے کہ ’’والد مرحوم حضرت محمد خان صاحب مرحوم کی عیادت کے لئے جایا کرتے تھے جو ان دنوں قادیان میں زیرِ علاج تھے۔ والد صاحب ایک دن ان کی قیام گاہ پر گئے تو یہ عاجز (مکرم عبدالحق صاحب) بھی والد صاحب کے ساتھ تھا۔ اسی وقت حضرت اقدسؑ بھی خان صاحب کی عیادت کے لئے تشریف لائے۔ آپ علیہ السلام کے ساتھ بہت سے احباب تھے۔ جن کی وجہ سے خاکسار کو بہت پیچھے ہٹنا پڑا اور میں نے رونا شروع کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ بچہ کون ہے اور کیوں روتا ہے؟ اس عاجز نے روتے روتے کہا کہ مجھے امام مہدی کے پاس نہیں آنے دیتے۔ جس پر خاکسار کو حضورؑ کے پاس جانے کے لئے راستہ دے دیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے اس خاکِ پا کو گود میں اُٹھا لیا اور بہت شفقت فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَلْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ‘‘

حضرت مسیح موعودؑ کا منظوم کلام

اللہ تعالیٰ نے چودھویں صدی میں آنے والے امام الزماںؑ کو قلم کا فن عطا کیا تھا۔ اور زمانے کے حالات کے مطابق امام الزماں علیہ السلام حضرت مرزا غلام احمدؑ قادیانی کی تبلیغ کا زیادہ انحصار تحریرات پر تھا۔ وہ تحریرات جو نثر میں بھی تھیں اور نظم میں بھی، اردو میں بھی، فارسی اور عربی زبان میں بھی ایک دو نہیں ان کی تعداد سو کے لگ بھگ بنتی ہے، جنہیں حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے مسوّدے تیار کر کے شائع کروائے ہیں۔ اس کے علاوہ ملفوظات کی کچھ جلدیں ان خطابات، اقتباسات اور اقوال پر ہیں جو حضور اقدسؑ عام روزمرہ زندگی میں کسی ایک فرد یا زیادہ کی موجودگی میں کسی موضوع پر کوئی بات کرتے۔ نبی اللہ کو اللہ تعالیٰ نے قوم کی تربیت کے لئے ایک خاص ذمہ داری سونپی ہوتی ہے۔ لوگوں کو مختلف مواقع پر مختلف نصائح کرتے رہنا نبی اللہ کا اہم فریضہ ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں چونکہ چھاپہ خانے کھل چکے تھے اس لئے آپ کی باتیں نوٹ کر لی جاتیں جو بعد میں ’’ملفوظات‘‘ کے نام سے شائع ہوئیں۔ نثر کے علاوہ حضور اقدس نے منظوم کلام لکھا ہوا ہے جو عربی، فارسی اور اردو میں ہے۔ چونکہ حضرت مسیحِ موعودؑ کا منظوم کلام عام شاعروں کی طرز پر نہیں ہے، اس لئے حضور اقدسؑ نے خود ہی اپنے کلام کے متعلق مندرجہ ذیل شعر کے ذریعے بتا دیا تھا کہ ان کے منظوم کلام کا اصل مقصد کیا ہے۔

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

اللہ تعالیٰ کو اپنے فرستادے کی یہ عاجزانہ ادا پسند آئی تو آپؑ کو اس شعر کے بعد فارسی میں الہام ہوا کہ ’’در کلام تو چیزیست کہ شعراء در آں دخلے نیست‘‘ جس کا اردو ترجمہ یوں ہے کہ ’’تیرے کلام میں ایسی چیز ہے جس میں شعراء کو دخل نہیں‘‘

(تذکرہ صفحہ 595 ایڈیشن چہارم)

گویا اللہ تعالیٰ نے چودھویں صدی کے امام الزماںؑ کو سلطان القلم کا خطاب یوں ہی نہیں دیا، ان کی قلم سے منظوم کلام کا پاکیزہ خزانہ بھی نکلنا تھا۔ اس سلسلے میں اب ہم حضور اقدسؑ کی معرکۃ الآراء منظوم کلام ’’دُرِّثمین‘‘ کی بات کرتے ہیں۔ دُرِّثمین منظوم کلام اردو میں بھی لکھی گئی اور فارسی میں بھی۔ چونکہ اردو تو ہندوستان میں ہمیشہ سے ہی ایک بہت بڑے علاقے میں بولی جاتی ہے اور پاکستان کے قیام کے بعد پاکستانیوں کی مادری زبان ہے، اس لئے اردو کا منظوم کلام تو روزِ اوّل سے جماعت کے بچے بچے سے پڑھا، بولا، لکھا، اور گایا جاتا ہے۔ مگر ہندو پاک میں فارسی زبان کو سمجھنے والے کم ہیں۔ پھر بھی فارسی زبان کا اردو میں خوبصورت ترجمہ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے اپنی زندگی میں کر دیا تھا جسے ان کی وفات کے بعد محترم شیخ اسمٰعیل صاحب پانی پتی نے شائع کروایا تھا۔

کتاب ’’دُرِّثمین فارسی کے محاسن‘‘

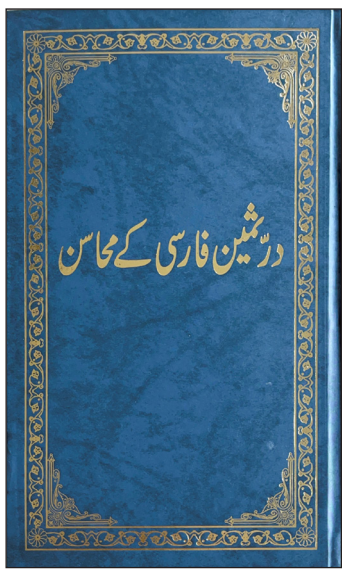

مگر ایک نبی اللہ کے فارسی زبان میں کلام کو محض سادہ ترجمہ پر ہی محدود نہیں رہنا چاہئے تھا۔ اس کلام کو اس سے آگے بیان کرنے کی بھی ضرورت تھی۔ یہ قیمتی خیال مکرم عبدالحق رامہ صاحب مرحوم کے دل میں آیا، انہوں نے اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے خدا کی مدد سے کام شروع کر دیا۔ سادہ زبان میں لفظ ’’محاسن‘‘ کا مطلب ہے کسی چیز کی بھلائیاں، خوبیاں، نیکیاں یا اچھائیاں۔ چونکہ موصوف کو طالب علمی کے زمانہ سے ہی فارسی زبان میں دلچسپی تھی اور چونکہ تعلیمی لحاظ سے بھی آپ عربی اور فارسی زبان کے منشی فاضل اور بی۔ اے ڈگری ہولڈر تھے۔ لھٰذا دُرِّثمین فارسی کے اشعار کے محاسن کو انہوں نے دل کھول کر بیان کیا ہے۔ محض تعریف کرنے کے لئے تعریف نہیں کی گئی، ہر زاویے سے مثالوں کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں جن نقاط پر بات کی گئی ہے ان میں شعر کی تعریف کیا ہے؟ کیا شاعری اسلام میں جائز ہے اور شاعری میں فصاحت و بلاغت کیا اثر دکھاتی ہے۔ حضرت اقدسؑ کی شاعری کی خصوصیات کا اس وقت کے چوٹی کے شعراء کی شاعری کے ساتھ ساتھ مثالوں سے موازنہ کیا ہے۔

شعر کی تعریف کیا ہے؟

مصنف نے شعر کی تعریف میں، مختلف عالموں اور ادیبوں کے حوالے دے کر اور پھر ان سب پر قرآن کا حوالہ اور قرآن کی بیان کردہ تعریف کو فائق کیا ہے۔

اور اس سلسلے میں سورۃ الشعراء کی آیات کا حوالہ دیا ہے۔ سورۃ الشعراء آیت 222-228 میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے ’’کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں۔ وہ شاعر اپنے کان (آسمان کی طرف) لگائے رکھتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ (یہی وجہ ہے کہ) گمراہ لوگ ہی شاعروں کی پیروی کرتے ہیں۔ (اے مخاطب) کیا تو نہیں سمجھتا کہ شعراء تو ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ہاں ان کے سوا (ایسے شاعر بھی) ہیں جو مومن ہیں اور نیک عمل بجالاتے ہیں۔ اور (اپنے شعروں میں) اللہ کا بہت ذکر کرتے ہیں۔ اور (اگر ہجو کرتے ہیں تو ابتداء نہیں کرتے بلکہ) مظلوم ہونے کے بعد جائز بدلہ لیتے ہیں۔ اور ظالم لوگ ضرور ہی جان لیں گے کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔‘‘

ان آیات کے بعد مصنف نے حضرت اقدسؑ کے کلام کو اس شاعری کا بہترین نمونہ ثابت کیا ہے جسے قرآنِ کریم نے جائز قرار دیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے کلام کی خصوصیات

حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو فن تحریر ودیعت کیا تھا اور جسے آپ علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی میں کتب کی ایک بھاری اکثریت میں ڈھال کر دنیا کے سامنے رکھا اس میں سے منظوم کلام دُرِّثمین اپنے اندر ایک عجب کشش رکھتا ہے۔ مکرم عبدالحق رامہ صاحب نے آپ کے اس کلام کی جو خوبیاں اور خصوصیات بیان کی ہیں ان کا مختصر خاکہ پیش ہے۔ مثلاً:

1- حضور اقدسؑ کے اشعار میں ایک ایسی کشش ہے کہ جو پڑھنے والے کے نفس کو خدا، رسول اور پاکیزگی کی طرف مائل رکھتی ہے۔

2- آپؑ نے نظم لکھتے ہوئے اپنے احساسات کے اظہار کو اسلام کی تبلیغ تک محدود رکھا۔ کسی دنیاوی بادشاہ یا امیر کی مدح سرائی نہیں کی اگر حضرت اقدسؑ نے کسی کو سراہا ہے تو وہ محض اس کی دینی خدمات کے لئے۔

3- حضورؑ کی شاعری میں مقدس کتاب قرآن پاک کی خوبیاں بار بار بیان کی ہیں۔ محض خوبیاں ہی نہیں بیان کیں بلکہ اس آسمانی صحیفے کو پڑھنے اور اس کی ہدایات پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے رہے۔ حضور اقدس کی نعت کا معیار دوسرے عام شاعروں والا نہیں ہے بلکہ حضورؑ نے اپنے اشعار میں آنحضور ﷺ کا اپنے رب سے والہانہ عشق کا جگہ جگہ ذکر کیا ہے۔

4- حضرت اقدسؑ نے اپنی شاعری کو کسی خاص مضمون تک محدود نہیں رکھا بلکہ احیائے اسلام کے لئے جس بھی موضوع کی ضرورت پڑی اس پر اشعار کہے۔ بہت سی نظمیں ایسی بھی ہیں جو بہت طویل ہیں مگر محض ایک موضوع پر انہیں محدود نہیں رکھا، احیائے اسلام کے لئے جس بھی موضوع کی ضرورت محسوس ہوئی اس پر روشنی ڈالنے کے لئے اشعار شامل کئے۔ جن میں خدا، رسول، فرشتوں، الٰہی کتابوں اور آخرت پر ایمان، خدا اور رسول کی محبت، قرآنِ مجید کی پیروی، مامورین الٰہی کی شناخت، انہیں قبول کرنے کی ضرورت اور دیگر بہت سے روحانی، اصلاحی اور تربیتی موضوعات بھی شامل ہیں۔

5- چونکہ حضور اقدس کی شاعری کا ایک پاکیزہ مقصد تھا۔ لھٰذا بہت سے اشعار ایسے بھی ہیں جن کو آپ نے بار بار استعمال کیا اور مختلف پیرائے میں انہیں استعمال کیا کیونکہ آپ عام مخلوق کو اس کے مطالب کی گہرائی سمجھانا چاہتے تھے تا کہ سننے والا دین اسلام اور اس کے مطالب کو اچھی طرح ذہن نشین کر لے۔

مکرم عبدالحق رامہ صاحب نے حضور اقدسؑ کی فارسی نظموں، نعتوں، اور حمد الٰہی میں سے بہت سے اشعار کو منتخب کر کے ان کا بیان لکھا ہے اور ان کی تشریح میں بھی اشعار کے محاسن سمیت بیان کئے ہیں۔ حضور اقدس کا اشعار پر مکمل کنٹرول اور فصاحت و بلاغت، شعر کی ساخت، انداز بیان، اس کے صنائع اور بدائع جیسے خواص کی سمت کا بھی علم ہو جاتا ہے۔

مصنف نے حضور اقدس کی صنفِ شاعری کی خصوصیات پر ماشاءاللہ سیر حاصل بات کی ہے، لیکن باقی ساری خصوصیات کے علاوہ ایک چیز کو انہوں نے حضور کی شاعری میں سب سے اعلیٰ گردانا ہے وہ یہ ہے کہ دینِ اسلام کے ثمرات کے ثبوت کے طور پر حضرت اقدس نے اپنی ذاتِ بابرکات کو پیش فرمایا۔ اس سلسلے میں مصنف نے حضور اقدس کے فارسی اشعار بھی کتاب میں تحریر کئے ہیں۔

ایک فارسی شعر بمعہ اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیے

کرامت گر چہ بے نام و نشان است
بیا بنگرز غلمانِ محمدؐ

اردو ترجمہ: اگرچہ اب کرامت مفقود ہو چکی ہے پھر بھی تُو آ اور اسے محمد ﷺ کے غلاموں میں دیکھ لے۔

حضرت اقدسؑ کی شاعری اور احیائے اسلام

مکرم عبدالحق رامہ صاحب اس تصنیف میں حضرت اقدسؑ کی فارسی شاعری میں سے کچھ مثالیں دی ہیں جن سے ایک بات روزِ روشن کی طرح واضع ہو جاتی ہے کہ آپؑ نے اسلام کو پھر سے زندہ کیا ہے۔ اپنی نثری تحریر سے بھی اور شاعری سے بھی جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ صرف اسلام ہی زندہ مذہب ہے جو انسانوں کو ربّ العالمین تک پہنچاتا ہے۔ اس دین کے عقائد فطرت کے عین مطابق ہیں اور اس کا نبی ﷺ بنی نوع انسان کا سب سے بڑا محسن ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ضروری مضامین درثمین فارسی میں بڑی خوبصورتی سے بیان کئے گئے ہیں۔ بہت سی مثالوں میں سے جو مصنف نے فارسی اشعار کی مختلف مضامین کے سلسلے میں دی ہیں کچھ مثالیں قارئین کی دلچسپی کے لئے اور فارسی زبان کی شاعری کے علم کی بڑھوتی کے لئے حاضر خدمت ہیں۔

کتاب کے محاسن بیان کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ درِّثمین فارسی کی پہلی نظم حمدِ الٰہی ہے۔ یہ وہی حمدِ الٰہی ہے جو کتاب براہینِ احمدیہ شروع کرنے سے پہلے لکھی ہوئی ہے۔ اور دوسرے نمبر پر نعت ﷺ ہے۔ کیونکہ انشاء پردازی میں ایک طریق اور دستور رواج پا چکا تھا کہ کتاب شروع کرنے سے پہلے حمدِ الٰہی اور پھر نعت ﷺ لکھ کر دوسرے مضامین شروع کئے جاتے۔

گو کہ انشاء پردازی میں حضرت مسیحِ موعودؑ نے ایک عظیم الشان داغ بیل ڈالی مگر پہلے والے دستور کو بھی اپنایا۔ اس حمد کے اشعار کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

ہر دم از کاخِ عالم آوازیست
کہ یکش بانی و بِنا سازیست

اردو ترجمہ: یہ نظامِ عالم ہر وقت یہ گواہی دے رہا ہے کہ اس جہان کا بانی اور کوئی بنانے والا ضرور ہے۔

وحدہٗ لا شریك حیّ و قدیر
لَم یَزل لا یَزال فرد و بصیر

اردو ترجمہ: وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ زندہ ہے اور قدرت والا ہے۔ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا وہ تنہا ہے اور بینا ہے۔

مصنف نے حضرت اقدسؑ کے اشعار کا ایک اور بڑے فارسی کے شاعر جناب مولانا نظامی کے ساتھ موازنہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مولانا نظامی کی فارسی شاعری کا بہت ذکر ہے، یہ درست ہے مگر ان کے بیان میں وہ بے ساختگی اور گہرائی نہیں ہے، جو حضرت اقدسؑ کے کلام میں ہے۔ اور وہ اس لئے ہے کہ حضرت اقدسؑ کا کلام اللہ تعالیٰ کی مدد سے لکھا جاتا رہا۔ ظاہر ہے جس کام میں اللہ جلّ شانہٗ کی مدد اور تائید ہو گی وہ سب سے الگ اور عظیم ہو گا۔ مصنف نے مولانا کی شاعری کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر مولانا کے حمد الٰہی کے دس اشعار میں دو چار صفاتِ حسنہ ملتی ہیں تو حضورؑ کے اتنے ہی اشعار میں بیسیوں صفات کا ذکر ہے۔ اس کے لئے اس سلسلے میں مولانا نظامی کی حمد کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

اے جہاں راز ہیچ سا زندہ
ہم نوا بخش و ہم نوا زندہ

اردو ترجمہ: اے وہ جو جہاں کو عدم سے پیدا کرتا ہے۔ تو نوا (ساز و سامان) بھی دیتا ہے اور (دوسرے طریقوں سے بھی) نوازتا ہے۔

جو بھی شاعری کی صنف دیکھیں حضرت اقدسؑ کی شاعری کا ایسا ہی اعلیٰ مرتبہ ملتا ہے۔ حمد کے بعد آپؑ کی شاعری میں بھی نعت ﷺ کا وجود ملتا ہے۔ پہلی براہین احمدیہ کتاب میں بھی حمدِ الٰہی کے بعد نعت شریف ہی لکھی ہے۔ مکرم عبدالحق رامہ صاحب لکھتے ہیں کہ نعت شریف کا بھی یہی معیار ہے۔ حضور اقدسؑ کا دستور تھا کہ کسی بھی امر کا بیان کرنا ہو، آپؑ بات کا رخ حضرت رسولِ خدا ﷺ کی ذاتِ مبارک کی طرف پھیر دیتے تھے۔ جیسا کہ اس شعر میں ہے:

احمدِ آخر زماں کز نُورِ اُو
شُد دِلِ مردم ز خور تاباں ترے

اردو ترجمہ: وہ احمد آخر زماں جس کے نور سے اُس نے نور پایا۔ اُس نور سے لوگوں کے دل آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہو گئے ہیں۔

مکرم سیّد کمال یوسف صاحب
(سابق مشنری انچارج اسکنڈے نیویا)

مکرم سید کمال یوسف صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ’’خاکسار کو مکرم عبدالحق رامہ صاحب سابق بیت المال کے متعلق کچھ اپنی ذاتی ادنیٰ سی معروضات پیش کرنے کو کہا گیا۔ رامہ صاحب مغفور و مرحوم کا تعارف پہلی مرتبہ اس بابرکت مجلس میں ہوا جس تاریخی مجلسِ مشاورت کی صدارت سیدی حضرت مصلحِ موعودؓ بہ نفسِ نفیس فرما رہے تھے۔ حضرت امیرالمومنینؓ حسبِ روایت مجلس میں عمامہ اوڑھ کر تشریف لایا کرتے تھے۔ مگر اس مجلسِ مشاورت میں خلافِ معمول ایک رومال باندھا ہوا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک نادان دشمنِ احمدیت نے مسجد مبارک کی محراب میں ایک تیز دھار خنجر سے آپؓ کی گردن پر وحشیانہ وار کرتے ہوئے آپ کو لہولہان کر دیا تھا۔ گردن کا یہ زخم بہتری کی طرف مائل تو تھا مگر پوری طرح مندمل نہیں ہوا تھا۔ یہ مجلسِ شوریٰ ربوہ کے لجنہ ہال میں منعقد ہو رہی تھی۔ جماعت احمدیہ کراچی کے تمام نمائندگان، امیر جماعت کراچی کی معیت میں بیٹھے ہوئے تھے۔

مشاورت کے دوران کراچی کے کسی نمائندہ نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ جس پر اس وقت کے کراچی کے امیر جماعت صاحب (امیر عبداللہ صاحب) نے اپنا تبصرہ بھی کیا۔ خاکسار کو اس وقت معلوم ہوا کہ یہ نمائندہ مکرم عبدالحق رامہ صاحب ہیں۔ اور اُن موصوف کے متعلق مزید یہ معلوم ہوا کہ مکرم رامہ صاحب ملٹری اکاؤنٹ کے مستند کارکن رہ چکے ہیں۔ اور یہ کہ اس وقت جماعت کراچی کے سکرٹری مال تھے۔ کراچی کی جماعت چندہ دہندگان میں دنیا بھر کی جماعتوں سے چندہ دہندگان کے مقابلہ میں صفِ اوّل کی جماعت تصور کی جاتی تھی۔ اور جماعت کراچی کے مالی نظام کے استحکام میں مکرم رامہ صاحب کی مساعی جمیلہ کا بہت بڑا حصہ تھا۔ ان کو انہی گراں قدر مساعی کی وجہ سے عالمی مرکز ربوہ میں بلا کر ناظر بیت المال کی اہم ترین خدمت میں رکھا گیا تھا۔ خدا کے فضل سے انہوں نے یہ ذمّے داری خوب خوب نبھائی۔

اگرچہ شعر و ادب کے میدان میں خاکسار کو قطعاً کوئی درک نہیں، اور خاکسار اس صنفِ لطیف سے ہنوز نابلد محض ہے۔

مگر مکرمی رامہ صاحب کا فارسی کلام درِّثمین کلام الامام سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محاسن پر مقالہ جماعت احمدیہ کے ہر فرد سے تحسین حاصل کر چکا ہے، خاکسار کو بھی اس کے مطالعے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضور اقدسؑ کے اس کلام درِّثمین فارسی کا اردو ترجمہ اوّلین کبار صحابہ کرامؓ میں سے حضور اقدسؑ کی روحانی تربیت کے براہِ راست پروردہ ایک صوفی مزاج شاعر صحابیؓ اور فارسی زبان کے محاورہ میں طاق حضرت میر ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے کیا تھا۔ یہ بے مثل ترجمہ ہے صاحبزادہ مرزا حنیف احمد صاحب مرحوم و مغفور کا حضور علیہ السلام کے اردو عربی اور فارسی کے بے مثل کلام کے محاسن کا علمی تذکرہ اور پھر دیگر شعراءِ کرام سے درِّثمین کا موازنہ بھی دیکھنے کو ملا، درِّثمین فارسی کے محاسن کو کئی طرف سے دیکھنے کا موقعہ ملا پس فارسی سے خاکسار کا مبلغ علم یہیں تک محدود ہے۔

مکرم رامہ صاحب سے میرا براہِ راست تعلق تو نہیں رہا، مگر ان کے کام اور احساسِ ذمہ داری اور عربی اور فارسی زبان کی مہارت کی گونج ضرور سننے میں آئی تھی۔ ان کی طبیعت میں کسی حد تک بذلہ سنجی پائی جاتی تھی ان کی بذلہ سنجی کا ایک مقبول لطیفہ پیش ہے۔ مکرم عبدالمنان مغنی صاحب ابن عبدالمغنی صاحب سابق ناظر بیت المال اور پہلے وکیل التبشیر جو ایک عرصہ تک مکرمی رامہ صاحب کے ماتحت بطور انچارج انسپیکشن برانچ کے خدمت بجالاتے رہے ہیں بیان کرتے ہیں کہ ’’ایک روز رامہ صاحب چند ضروری خطوط پوسٹ کرنے کو لائے اور اپنے ایک کارکن کو کہا کہ یہ خطوط فوراً پوسٹ کروا دو۔ جب دفتر ختم ہونے پر گھر جانے لگے تو اچانک پلٹ کر واپس اندر آئے اور اس کارکن سے پوچھا کہ ’’کیا خطوط پوسٹ کر دئے ہیں یا نہیں؟‘‘ کارکن نے جواب دیا کہ ’’نہیں ابھی تک کوئی بندہ نہیں ملا جس کو ڈاک خانہ بھجواتا‘‘ کارکن کے جواب پر رامہ صاحب فوراً بولے لاؤ مجھے ڈاک دے دو، تھوڑی دیر کے لئے میں ہی وہ بندہ بن جاتا ہوں ماشاءاللہ، ہمارے بزرگ احساسِ ذّمے داری میں ہم سب کے لئے نمونہ تھے۔ ان کے عہدہ کی عظمت، ان کو چھوٹی چھوٹی خدمتوں کی ادائیگی میں روک نہیں بنتی تھی۔ بلکہ ان خدمات کو ادا کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔‘‘ جزاك الله

دعا کا تحفہ

کشتی پرسوار ہونے کی دوسری دعا

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی کہ جب کشتی میں سوار ہو جائیں تو پہلے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ پڑھیں کہ تمام تعریف اس ذات کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی۔ اور پھر یہ دعا پڑھیں۔ حضرت علیؓ مسجد میں داخل ہوتے وقت بھی یہی دعائیہ آیت پڑھا کرتے تھے۔

(تفسیر قرطبی جزء 12 صفحہ 120)

رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۳۰﴾

(المؤمنون: 30)

اے میرے رب! تو مجھے ایسی حالت میں اتار کہ مجھ پر کثرت سے برکتیں نازل ہو رہی ہوں اور تمام اتارنے والوں سے بہتر تیرا وجود ہے۔

(قرآنی دعائیں از خزینۃ الدعا مرتبہ علامہ ایچ ایم طارق ایڈیشن 2014ء صفحہ 36-37)

مرسلہ: عائشہ چوہدری۔ جرمنی

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION | Download on the App Store | ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

ادارہ کا مضمون نویسوں، تبصرہ و مراسلہ نگاروں کے خیالات اور آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں

بقیہ: جنوبی کوریا کا تعارف..... از صفحہ 8

المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ یکم اگست 1997ء میں اس خاتون کا ذکر فرمایا کہ:

’’ابھی چند دن ہوئے کوریا کے نمائندے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے ان سے گفتگو ہوئی وہاں ایک کورین خاتون ہیں جنہوں نے واقعتاً اسلام کو سچا سمجھ کر قبول کیا ہے اپنے خرچ پر یہاں تشریف لائیں مجھے مشورے دے رہی تھیں کہ کیا کیا ہم ہوشیاریاں کریں تو کوریا میں کثرت کے ساتھ پھیل سکتے ہیں۔ جب وہ بات کر چکیں تو میں نے کہا جس طرح عیسائیت۔ انہوں نے کہاہاں عیسائیت دیکھو کتنی پھیل گئی ہے۔ لکھو کھا انسان(millions) دیکھتے دیکھتے عیسائی بن گئے تو آپ بھی کچھ ان سے ملتی جلتی باتیں کریں۔ انہوں نے مدرسے بنائے اتنے، کوئی کالج ہسپتال بنائے، رفاہ عامہ کے یہ کام کئے اور اس کے نتیجے میں دیکھو ملینز عیسائی بن گئے۔ جب وہ بات کر چکیں تو میں نے انہیں کہا ان ملین عیسائیوں میں کیا پاک تبدیلی آپ نے دیکھی ہے۔؟ کتنے ہیں جنہوں نے خدا کی خاطر دنیا کے مسلک چھوڑے ہیں۔ کتنے ہیں جو بہتر انسان بن گئے اور خدا کے سامنے سر جھکانے والے ہو گئے؟ کچھ دیر تک وہ خاتون سوچتی رہیں اور پھر ان کا جواب صفر نکلا کہ میرے علم میں کوئی نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ سیاست ہے یہ مذہب نہیں ہے۔ یہ وہ دین ہے جس کو دین اللہ نہیں ہم کہہ سکتے اور ہمیں تو دین اللہ میں دلچسپی ہے۔ اس لئے اگر آپ اکیلی بھی کوریا میں احمدی مسلمان بن کر اپنے آپ کو خدا کے حضور جھکا دیں تو وہاں احمدیت کامیاب ہے اور عیسائیت ناکام ہے کیونکہ عیسائیت اگر مذہب لے کر وہاں پہنچی ہے تو مذہب میں دھوکہ دیا ہے۔ عیسائیت دراصل امریکہ کی سیاسی حیثیت کا ایک دوسرا چہرہ ہے‘‘

(الفضل انٹرنیشنل، 19 ستمبر تا 25 ستمبر 1997ء صفحہ 7)

جماعت احمدیہ کوریا کی مالی قربانی

جماعت کوریا نے آغاز میں بڑھ چڑھ کر خدا کی راہ میں اموال پیش کئے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے 11 نومبر 1994ء میں اپنے ایک خطبہ جمعہ میں کوریا کی جماعت کی مالی قربانی کا ذکر کر کے درج ذیل الفاظ میں خراج تحسین پیش فرمایا:

’’تحریک جدید کے چندوں کے سلسلے میں ایک وضاحت بھی ضروری ہے۔ مجھے کوریا کی جماعت کی طرف سے یہ جائز شکوہ موصول ہوا ہے کہ آپ نے کوریا کا بالکل ذکر نہیں کیا حالانکہ یہاں ایک نئی جماعت اٹھتی ہوئی جماعت پیدا ہوئی ہے اللہ کے فضل کے ساتھ۔ اور ایک پہلو سے وہ سب سے دنیا میں سبقت لے گئی ہے کیونکہ اس کا فی کس چندہ سوئٹزرلینڈ کے چندے سے بھی بقدر سو پاؤنڈ فی کس زیادہ ہے۔ تو جہاں ہم نے سوئٹزرلینڈ کا ذکر تحسین اور تعریف سے اس لئے کیا تھا کہ لوگوں کے دل میں شوق بھی پیدا ہو اور ان کے لئے خصوصیت سے دعا کی تحریک ہو، یہ بالکل چھوٹی سی جماعت ہے اور وہ بہت سے ایسے مہاجرین ہیں یہاں جن کو ابھی تک قانونی طور پر بھی کوئی تسلی نہیں کہ وہ کچھ رہ بھی سکیں گے کہ نہیں وہاں۔ چھوٹی موٹی تجارتیں کرتے ہیں یا بعض مزدوریاں کر کے گزارا کر رہے ہیں۔ لیکن خدا نے وسعت قلبی عطا فرمائی ہے اور اس پہلو سے تحریک جدید کے چندے میں فی کس کے حساب سے وہ دنیا پر سبقت لے گئے ہیں۔۔۔ جماعت کوریا کا جو میں نے بیان کیا تھا اس کے اعداد و شمار اب میرے کاغذات میں سے نکل آئے ہیں ان کی فی کس ادائیگی دو سو پاؤنڈ اکاسی پنس ہے۔سو سے کچھ کم فرق ہے سوئٹزرلینڈ کی ایک سو چوہتر پاؤنڈز اڑتیس پنس تھی اور ان کی اللہ تعالیٰ کے فضل سے 260 پاؤنڈز 81 پنس ہے جو خدا کے فضل سے سوئٹزرلینڈ کے مقابل پر بہت نمایاں طور پر آگے بڑھ گئی ہے۔ گزشتہ سال ان کی قربانی بھی بہت معیاری تھی 136 پاؤنڈز فی کس کے حساب سے تھی۔‘‘

(الفضل انٹرنیشنل، 9 دسمبر 1994ء صفحہ 5)

(باقی 6/ ستمبر 2022ء ان شاءاللہ)

فقہی کارنر

ولیمہ

تعریف ولیمہ پوچھی گئی تو (حضرت مسیح موعودؑ نے) فرمایا:

’’ولیمہ یہ ہے کہ نکاح کرنے والا نکاح کے بعد اپنے احباب کو کھانا کھلائے‘‘

(الحکم 10 فروری 1907ء صفحہ 11)

’’شرح شریف میں تو صرف اتنا حکم ہے کہ نکاح کرنے والا بعد نکاح کے ولیمہ کرے یعنی چند دوستوں کو کھانا پکا کر کھلاوے‘‘

(بدر نمبر 31 جلد 2 مؤرخہ 2/ اگست 1906ء صفحہ 12)

اسی طرح ایک اور موقعہ پر فرمایا:

’’نکاح میں کوئی خرچ نہیں، طرفین نے قبول کیا اور نکاح ہو گیا۔ بعد ازاں ولیمہ سنت ہے۔سو اگر اس کی استطاعت بھی نہیں تو یہ بھی معاف ہے‘‘

(بدر 6 فروری 1908ء صفحہ 6)

(داؤد احمد عابد۔ استاد جامعہ احمدیہ برطانیہ)

ایک سبق آموز بات

سیلف ریسپیکٹ کا بھی خیال رکھو تم بیشک
یہ نہ ہو کہ کسی شخص کا اکرام نہ ہو

(کلام محمود)

آج کل سیلف ریسپیکٹ کے نام خود سری عام ہو رہی ہے اور بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ اگر کبھی کسی بڑے نے چھوٹے کو تھوڑا سخت لہجے میں یا ناصحانہ انداز میں سمجھانے کی کوشش کی تو صبر اور برداشت کی کمی کی وجہ سے سخت جواب ملتا ہے مثلاً، یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، آپ کو کیا وغیرہ۔ اس طرح اپنی ریسپیکٹ کا تو احساس رہتا ہے مگر دوسرے کا بھول جاتا ہے۔

طاہر احمد۔ نمائندہ الفضل آن لائن فن لینڈ

طلوع وغروب آفتاب

30/اگست 2022ء		طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ		04:45	18:39
مدینہ منورہ	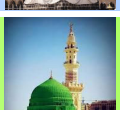	04:42	18:42
قادیان	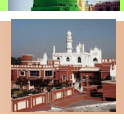	04:38	18:55
ربوہ		04:18	18:35
اسلام آباد ٹلفورڈ	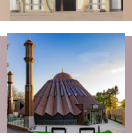	04:43	19:54